itsurdu.blogspot.com

کہنہ مشق صحافی کی زندگی بھر کا حاصل مطالعہ

آبِ حیات

تجربات و مشاہدات

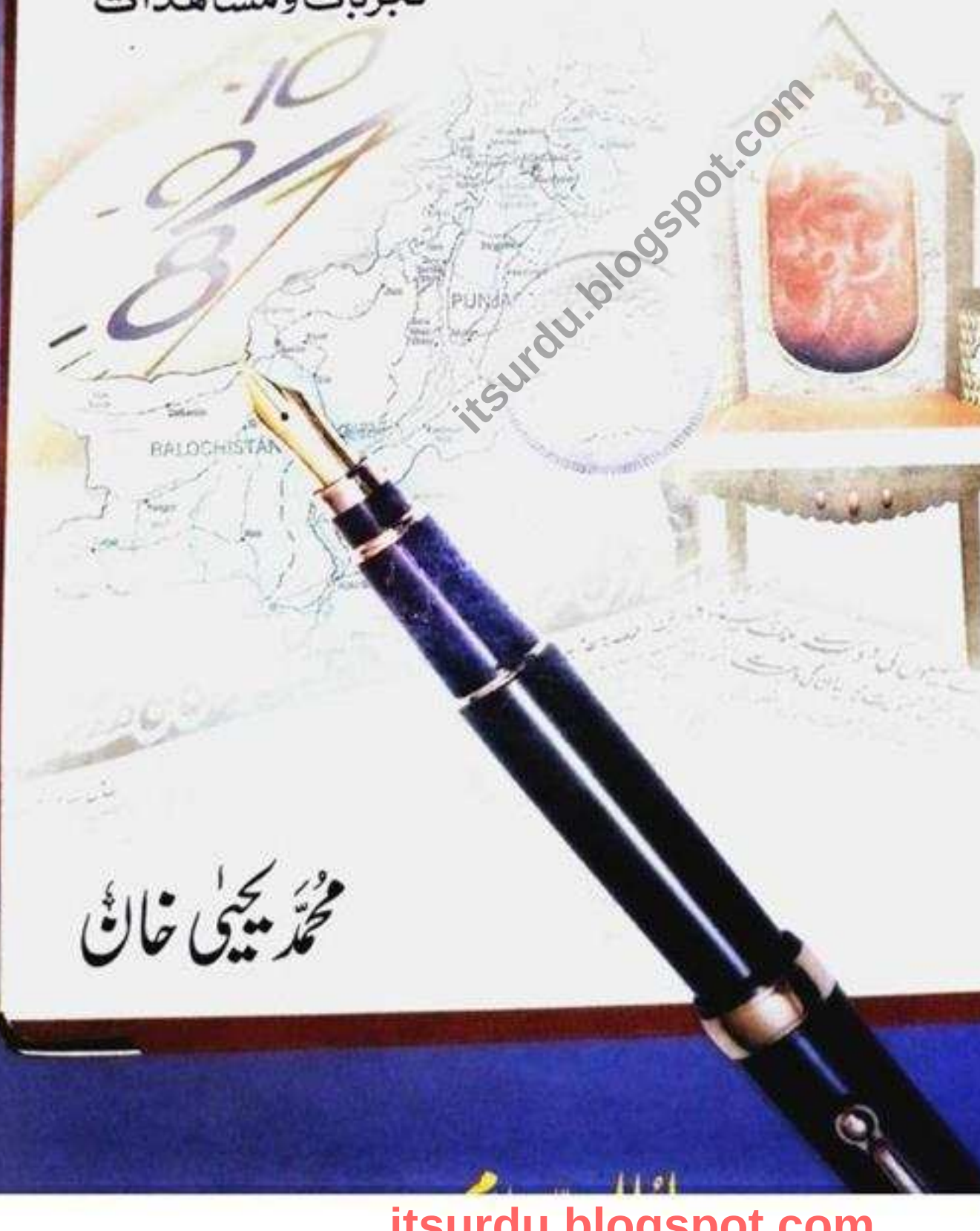

itsurdu.blogspot.com

محمد یحییٰ خان

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

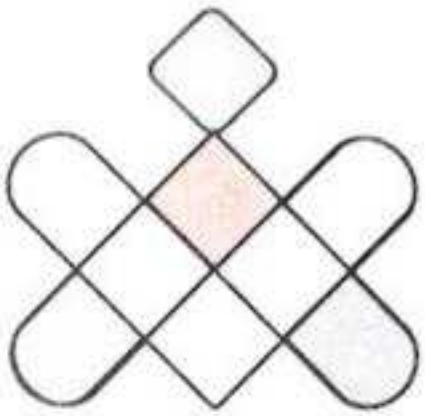

آبِ حیات

کامیاب زندگی کے اصول وقوانین اور
تاریخ وسیاست کی نامور شخصیات کا تذکرہ

itsurdu.blogspot.com

تالیف
محمد یحییٰ خان

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جُملہ حقوقِ اشاعت برائے دارُالسّلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز محفوظ ہیں۔
یہ کتاب یا اس کا کوئی حصہ کسی بھی شکل میں ادارے کی پیشگی اور تحریری اجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اس کتاب سے مدد لے کر سمعی و بصری کیسٹس اور سی ڈیز وغیرہ کی تیاری بھی غیر قانونی ہوگی۔

مؤلف کے نظریات اور عبارات سے ارادہ دارُالسّلام کا کلی اتفاق ضروری نہیں۔

نام کتاب : آبِ حیات

تالیف : محمد یحییٰ خان

منتظمِ اعلیٰ : عبدُالمالک مُجاہد

مجلسِ انتظامیہ : حافظ عبدالعظیم اسد (مینجر دارُالسّلام لاہور) محمد طارق شاہد

مجلسِ مشاورت : حافظ صلاح الدین یوسف ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر پروفیسر محمد یحییٰ مولانا محمد عبدالجبار

ڈیزائننگ اینڈ السٹریشن : زاھد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

خطاطی : اِکرام الحق

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

فہرست

عرضِ ناشر 9

پیش لفظ 12

علم کی اہمیت 15

خندہ روئی اور مسکراہٹ 18

افسردگی 23

شکرِ نعمت 26

درد کے مثبت اثرات 28

راہِ اعتدال 30

خوشی کا فن 32

زندگی کی رنگا رنگی 34

تقدیر کا زاویہ 38

عبادات کے ضمنی فوائد 42

بے چینی، اضطراب اور اندیشے 44

سستی اور کاہلی 49

توبہ 52

صبر اور انتظار 57

وقت 60

Barcode 6955/- Keep Book Bank (Vaanaka A Bill No- K/003 Date: 24/05/2024.

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لمحۂ فکریہ 63

مطالعۂ کتب 63

کتاب سے دوستی 65

جاننے کا کرب 67

اُمید کی کرن 69

عمر کیسے ضائع ہوتی ہے؟ 70

قدرِ عافیت 72

کچھ کھونا بھی پڑتا ہے کچھ پانے سے پہلے 74

''مصروفیت'' ایک عظیم نعمت 77

ڈسپلن کیا ہے؟ 81

تقدیر سے سمجھوتہ 87

احساسِ کمتری سے نجات 93

خودداری اور عزیمت 98

تنقید، حوصلے کی آزمائش ہے 106

سلیقۂ گفتگو کے اثرات 115

مباحثے کا انداز 126

عبادات، اطمینانِ قلب اور قبولیتِ دعا 132

بلاعنوان 139

اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے 140

ناداں کی دوستی 142

ٹی وی اور جدید جہالت 144

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شکریے کے پیچھے اصل کہانی کیا تھی؟ 147

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے 153

اقبال، مہر اور پطرس بخاری 156

ایک مسلمان کی ترقی 158

آ آ..... آمین 160

بے دُم، بے سر اور پیٹ کا شیر 161

لقمان اور ان کا آقا 163

آمریت کے خلاف صحافیوں کی جدوجہد 166

سپریم کورٹ کا تاریخی فیصلہ 170

لفظ کی تعبیر سے استفادہ 177

ساری کتابیں غلط 185

دولت اور عقل 185

خوش طبعی 186

قصہ ایک پیر صاحب کا 187

بدھ مت پر ایک ''بلیغ'' تبصرہ 191

جسٹس کیانی اور ایوب خان 192

دو عدالتوں سے تخاطب 195

فقیرانہ استغنا 196

علم اور اقتدار کی کشمکش 205

آبِ حیات 211

پیرانِ پیر سے پہلی ملاقات 221

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

عرضِ ناشر

اس دنیا میں ہمیشہ دو طرح کے لوگ پائے گئے ہیں۔ ایک قبیل ان لوگوں کی ہے جو بے ہمت ہیں۔ یہ لوگ زندگی کو عذاب سمجھتے ہیں، معمولی سی بھی مشکل پیش آجاتی ہے تو دبک کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حالات ناسازگار ہیں، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ ایسے بودے اور کاہل لوگوں نے کبھی کچھ نہیں کیا، لیکن ان کے برعکس دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اہلِ عزم و ایمان ہیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں، زندگی کو ایک اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں اور شاہراہِ زندگی پر چلتے چلتے جو کٹھن مسائل اور دشواریاں پیش آتی ہیں انھیں محنت اور بہادری سے حل کرتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ زندگی کا قافلہ ایسے ہی اربابِ ہمت سے جلا پاتا ہے اور ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

زیرِ نظر خود نوشت ''آبِ حیات'' کے مصنف جناب محمد یحییٰ خان بھی اس صاحبِ عزیمت قافلے کے ایک فرد ہیں جس نے اپنے عزم و عمل سے زندگی کو آگے بڑھایا اور مہذب بنایا ہے۔ وہ مانسہرہ کی دور افتادہ اور سنگلاخ سرزمین میں پلے بڑھے۔ دشوار حالات میں تعلیم پائی اور عملی زندگی کی تگ و تاز میں بحیثیت صحافی حصہ لیا۔ ان کی زندگی بڑی سبق آموز ہے۔ دینی اور عصری علوم کی معرفت نے ان میں ایسی بلند نظری پیدا کر دی کہ وہ زندگی کے ہر چیلنج سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوتے رہے۔ انھوں نے ہمیشہ وہی کیا، وہی کہا اور وہی لکھا جسے حق سمجھا۔ انھوں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نے اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ اس اعتبار سے آج خود ان کی زندگی رہبری کی روشنی بکھیر رہی ہے۔ اسی روشنی کے لمعات زیرِ نظر کتاب کی شکل میں قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اس کتاب میں علم کی لگن، حسنِ خیال اور حسنِ عمل کے سبھی اسباق آ گئے ہیں جو انسان کی انگلی تھام کر اُسے اس کے مقصدِ تخلیق اور کامیاب زندگی سے روشناس کرا دیتے ہیں۔ اس میں علم کی اہمیت، خوش اخلاقی کی ضرورت، نیکی سے محبت، بے ہمتی اور افسردگی کے خطرناک نتائج سے آگہی، شکرِ نعمت کی برکت، راہِ اعتدال کی افادیت، عبادات کی ضرورت و اہمیت، وقت کی قدر شناسی اور دیگر نہایت اہم موضوعات پر بڑے ہی دلچسپ، سلیس اور نفیس پیرائے میں بہت قیمتی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ اس میں ہماری قومی زندگی کے بعض اہم گوشے اور مشاہیر کے دلچسپ واقعات بھی سمٹ آئے ہیں، جیسے سید عطاء اللہ شاہ بخاری، جنرل ایوب خاں، جسٹس ایم آر کیانی، سید ابوالاعلیٰ مودودی وغیرھم۔

اس میں سلاطین اور مشاہیرِ عالم کی باتیں بھی ہیں اور "خواجہ خضر" کی شخصیت کے گرد بنے گئے افسانوں کا تیا پانچا بھی کیا گیا ہے۔ غرض متنوع عنوانات کے تحت بہت لطیف اور سبق آموز واقعات اور تاثرات پیش کیے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک قارئین کے لیے سوغات کا درجہ رکھتا ہے۔

اس کتاب سے بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں اور مرد سبھی یکساں طور پر مستفید ہو سکتے ہیں اور اپنی زندگی کے ان گوشوں کو منور کر سکتے ہیں جہاں روشنی کی اشد ضرورت ہے۔ نوجوانوں کے لیے یہ کتاب خاص طور پر سبق آموز اور بصیرت افروز ہے۔ دارالسلام کا مقصد توحید اور ایمان کی محکمی اور اعلیٰ سیرت سازی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ فیض رساں کتاب ہمارے معاشرے کے ہر پڑھے لکھے فرد بالخصوص

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نوجوانوں کو صداقت کا راستہ دکھاتی رہے گی۔

مختلف موضوعات میں شامل احادیث کی تخریج اور مفید اضافے دارالسلام کے ریسرچ فیلو طارق جاوید عارفی نے کیے ہیں، پروف ریڈنگ کے مراحل حافظ عبداللہ ناصر نے سرانجام دیے اور محقق و ادیب شہیر محسن فارانی نے ضروری تصحیح کا فریضہ انجام دیا ہے۔ کمپوزنگ محمد رمضان شاد کے دستِ ہنر کا حاصل ہے اور زاہد سلیم چودھری اور محمد مدثر نے ڈیزائننگ سے اسے چار چاند لگائے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے ان سب حضرات اور برادرم محمد طارق شاہد اور حافظ عبدالعظیم اسد (مدیر دارالسلام لاہور) کے لیے جزائے خیر کا طلبگار ہوں۔

اس کتاب کے بارے میں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مؤلف کے نظریات اور عبارات سے ادارہ دارالسلام کا کلی اتفاق ضروری نہیں ہے۔

خادم قرآن وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام۔ الریاض، لاہور

محرم الحرام 1428ھ/فروری 2007ء

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پیش لفظ

''آبِ حیات'' ایسے مشاہدات و تجربات کا مجموعہ اور حاصلِ مطالعہ ہے جو میرے عہدِ طفولیت سے لے کر اب تک کے صحافتی تجربات، مشاہدات اور تاثرات پر مشتمل ہے۔ میں نے واقعات کو کیسے دیکھا، مختلف طبقوں اور بلند مناصب والے افراد کو قریب سے کیسا پایا اور ایک قلمکار کے طور پر اپنی ذات پر وارد ہونے والے واقعات و تجربات میں سے کیسے گزرا، انھی واقعات کی دلچسپ تفصیلات اس کتاب میں سمٹ آئی ہیں۔ ''آبِ حیات'' میں آپ کہیں بھی حرفِ تعلّی نہیں پائیں گے۔ یہ ایک نظریاتی (Committed) صحافی کا قلمی سفر یا حاصلِ مطالعہ و مشاہدہ ہے۔

مجھے عملی صحافت کے تیس پینتیس برس جن لوگوں سے شرفِ تلمذ یا شرفِ ملاقات حاصل ہوا، ان میں بڑی بڑی قابلِ احترام ہستیاں، جید علما، صاحبِ فراست سیاست دان اور بلند پایہ مصنفین اور حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والی شخصیات شامل تھیں۔ کہنہ مشق صحافی و ادیب بھی تھے جن سے مجھے پیشہ ورانہ رہنمائی ملی اور متوازن رائے قائم کرنے کے آداب سے بھی آگاہی حاصل ہوئی۔

میں نے ابتدائی تعلیم مانسہرہ میں حاصل کی۔ والد صاحب مولانا محمد عرفان ایک جید و متقی عالم تھے۔ انھوں نے مجھے درس نظامی کا حصہ فارسی پڑھایا۔ ایف ایس سی میں نے گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد سے کیا۔ بعد ازاں ایم اے، ایل ایل بی پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ صحافتی سفر روزنامہ ''کوہستان'' میں بطور رپورٹر و سب ایڈیٹر شروع کیا اور بعد ازاں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

روزنامہ ''مشرق'' میں نیوز ایڈیٹر کے عہدے پر پہنچا اور وہیں سے قبل از وقت ریٹائر ہو کر آزادانہ لکھنے لکھانے اور ترجمہ نگاری کا کام شروع کیا جو تا ایں دم جاری ہے۔

میرے لیے گورنمنٹ ہائی سکول مانسہرہ میں داخل ہوتے ہی غیر نصابی مواد پڑھنے کے مواقع پیدا ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں روزنامہ ''تعمیر'' راولپنڈی اور بعدہ روزنامہ ''کوہستان'' لاہور کے مالک و مدیر جناب نسیم حجازی کے اسلامی تاریخی ناولوں کا بہت چرچا تھا۔ بچے، نوجوان اور بوڑھے یکساں طور پر ان ناولوں میں دلچسپی لیتے، چنانچہ میں بھی انھی میں سے تھا۔ ان ناولوں نے خواہ تاریخ کو صحیح تناظر میں پیش کیا ہو یا نہیں لیکن مسلم نوجوانوں میں عقابی روح ضرور پھونکی۔ علاوہ ازیں شاعر مشرق علامہ اقبال کے کلام اور پھر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے لٹریچر نے مجھے اور میرے ہمعصروں کو بے حد متاثر کیا۔ ان کی تصانیف سے ہماری نسل میں یہ شعور اُجاگر ہوا کہ ہم صرف برصغیر کے باشندے نہیں، ہماری برادری سارے ایشیا، افریقہ اور جنوب مشرقی یورپ کے اندر (ترکی وغیرہ) تک پھیلی ہوئی ہے۔ ہم ایک شاندار ماضی رکھتے ہیں اور ایک بہت بڑی وحدت کا حصہ ہیں۔ ایسے خیالات ہم لوگوں کو ایک جذبے سے سرشار رکھتے۔

میرا زمانۂ ملازمت زیادہ تر ''ایک خارزار میں برہنہ پائی'' کا سفر ہی رہا۔ اس دوران میں ایوب خان اور بھٹو کی ''آمریتوں'' سے واسطہ رہا۔ ضیاء الحق کے دس سال کم از کم دائیں بازو والوں کو اپنے مشن کے لیے بہت سازگار لگے، نواز شریف کا دور بھی کچھ اچھا رہا لیکن بے نظیر کا دور آنے کے بعد ایک ''وکھری ٹائپ'' کی آزادی تھی جس کے نتیجے میں بالآخر ''این پی ٹی'' کو توڑ دیا گیا۔

''لفافہ جرنلزم'' کی اصطلاح جو آجکل بہت مشہور ہے، اس زمانے میں اتنی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

عام نہیں تھی تاہم بعد میں پلاٹ، پرمٹ اور پیو پلاؤ قسم کی بہت سی مراعات کی بارش ہوئی۔ جب کوئی اخبار بیٹھ جاتا، یا بدعنوانی کی وجہ سے کسی کو اخبار سے نکال دیا گیا ہوتا، تب پتہ چلتا کہ یہ فلاں فلاں پلازے یا فلاں پٹرول پمپ کا مالک ہے۔ بھٹو دور میں ایک عام اعلان شدہ پالیسی کے تحت سب صحافیوں کو ایک ایک رہائشی پلاٹ ملا اور مجھے بھی ملا جہاں سر چھپانے کے لیے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے قرضے سے مکان تعمیر کر لیا۔ بطور بندۂ رب میرے دامن میں بے شمار کوتاہیاں اور اَن گنت ندامتیں ہیں لیکن بطور صحافی اور یکے از ملازمین ''این پی ٹی'' بفضلِ اللہ میں نے رزق حلال ہی پر اکتفا کیا ہے۔

جہاں تک بعض طبقوں، علماء، سیاستدانوں، سماجی رہنماؤں اور پیران و مشائخ سے متعلق میرے قلم سے نکلی ہوئی باتوں کا تعلق ہے، یہ میرے مشاہدے کا معاملہ ہے، یا اس عقلِ سلیم (Common Sense) کا مظہر ہے جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ غالباً یہی ایک پیمانہ ہے جس کا ایک بندے کو مکلّف ٹھہرایا گیا ہے اور جس سے کسی حاکمِ وقت، جج یا مجسٹریٹ، عالمِ دین، پیر اور اس کے مرید کو ناپا جائے گا، ان کے ستائے ہوئے عوام یا ان کی وجہ سے گمراہیوں کا شکار ہونے والے سادہ لوح بندوں کو نہیں ناپا جائے گا۔ میں اپنی آپ بیتی جو جگ بیتی بھی ہے، قارئین کی نذر کرتا ہوں، اس ادّعا کے ساتھ کہ ؎

بیان حرف حرف ہے پیام لفظ لفظ ہے
مرا قلم کتابِ زندگی کا پیش لفظ ہے

محمد یحییٰ خان

356/ جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

علم کی اہمیت

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾

"اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت زیادہ فضل ہے۔" (النساء 4:113)

ایک دوسرے مقام پر نوح علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾

"پس تو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے کچھ علم نہیں۔ بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں شامل نہ ہو۔" (ھود 11:46)

اس کے جواب میں نوح علیہ السلام نے کہا:

﴿رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ﴾

"اے میرے رب! بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں۔" (ھود 11:47)

سورۃ الزمر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

"کہہ دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، وہ برابر ہو سکتے ہیں؟" (الزمر 39:9)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نبی اکرم ﷺ کو یہ دعا مانگتے رہنے کی تاکید کی گئی تھی:

﴿رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾

''اے میرے رب! مجھے (میرے) علم میں زیادہ کر۔'' (طٰہٰ 114:20)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»

''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔''[1]

لہٰذا جو کوئی جاہل رہ گیا اس کے پاس اگر دولت زیادہ آ گئی ہے یا اس کا سماجی مرتبہ کسی اتفاقی وجہ کی بنا پر بڑا ہو گیا ہے تو اسے اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا مال و دولت اور سماجی حیثیت دونوں ناپائدار چیزیں ہیں۔ یہ کسی وقت بھی اس کا ساتھ چھوڑ سکتی ہیں۔

لاہور کے پرانے صحافیوں کو اب تک وہ واقعہ یاد ہے جب ملکۂ برطانیہ پہلی بار پاکستان کے دورے پر آئیں تو اس زمانے میں لاہور کی میئر شپ پر ایک ایسی شخصیت فائز تھی جس کا اس عہدے پر پہنچنا حادثاتِ زمانہ ہی کا نتیجہ تھا۔ شالامار باغ کے وسیع سبزہ زار میں منعقدہ تقریب میں، جس میں غیر ملکی سفیروں اور اربابِ علم و دانش کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، وہ جب ملکہ کو سپاسنامہ پیش کرنے لگے تو اس میں جتنی بار ''اے ملکۂ معظّمہ'' کے الفاظ آئے وہ اسے ''اے مکۂ معظّمہ'' پڑھتے رہے اور ''معیت'' کے لفظ کو بہ تکرار ''آپ کی میّت'' کہتے رہے۔ اسی طرح وہ آخر میں لکھے ہوئے پرنٹنگ پریس کا نام بھی پڑھ گئے۔ یہ سُن کر اہلِ علم مسکراتے رہ گئے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میرے ذہن میں اچانک یہ شعر اُبھر آیا۔

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہِ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم

.....

اہلِ علم کسی بلند منصب پر فائز ہو سکیں یا نہ مگر جس منصب کو بھی نبھانے کا موقع انھیں ملتا ہے، وہ اس سے متعلقہ فرائض کو بے علم لوگوں کی بہ نسبت بہتر طور پر انجام دیتے ہیں۔

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال نے بابی فرقے کے بانی کے حوالے سے اپنی کتاب ضربِ کلیم میں ''محمد علی باب'' کے عنوان سے چند اشعار لکھے ہیں۔ انھیں پڑھنے سے علم کی فضیلت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ آپ بھی پڑھیے۔

تھی خوب حضورِ علماء باب کی تقریر
بے چارہ غلط پڑھتا تھا اعراب سمُوات!
اس کی غلطی پر علماء تھے متبسم
بولا تمھیں معلوم نہیں میرے مقامات!
اب میری امامت کے تصدق میں ہیں آزاد
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات!

① صحيح البخاري، العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، حديث:71

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خندہ روئی اور مسکراہٹ

کیا آپ کسی ایسے شخص سے ملنا پسند کریں گے جس کی تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں اور باتیں بھی تُرش و تلخ لہجے میں کرتا ہو۔ آپ کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ پہلی بار کسی اہم کام سے اگر اس سے ملنا ضروری ہوا تو آپ ملاقات کرلیں گے مگر دوسری بار آپ اس سے حتی الامکان دور رہیں گے۔

قرآن و سنّت میں خوش خُلقی اور خندہ روئی کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ سورۂ لقمان میں لقمان رحمہ اللہ کی طرف سے اپنے بیٹے کو کی گئی اس نصیحت کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾

''اور تو لوگوں سے بے رُخی نہ کر۔'' (لقمان 18:31)

لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا ہمارے لیے صدقے کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے ثواب بھی ملتا ہے اور ہمارا حلقۂ احباب بھی وسیع ہوجاتا ہے۔ جو شخص ایک بار خوش خُلق و خوش اطوار شخص سے ملتا ہے، وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور دوسری بار بھی اس سے ملاقات کا خواہشمند ہوتا ہے۔

ایک دفعہ میں ایک ڈاکٹر کے کلینک میں بیٹھا اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ میں اور چند دیگر مریض اپنی باری جلد آنے کی خواہش کے تحت مقررہ وقت سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ میں نے کئی مریضوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ یہ ڈاکٹر اتنی اچھی طرح حال پوچھتا ہے کہ آدمی کی آدھی بیماری اس سے دُور ہو جاتی ہے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آپ نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سُنا ہوگا، فلاں افسر ایسا برہم دکھائی دیتا ہے جیسے گھر میں بیوی سے لڑ کر آیا ہو۔

موجودہ دور کو ''تعلقاتِ عامہ'' یا ''P.R'' کا دور کہا جاتا ہے۔ انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے اور خیر سگالی کے تعلقات کو بڑی اہمیت حاصل ہو چکی ہے، چنانچہ تمام سرکاری محکموں اور بیشتر نجی اداروں میں اس کے لیے ایک الگ شعبہ قائم کر دیا گیا ہے جس کا کام اس ادارے یا محکمے کے بارے میں غلط فہمیاں دور کرنا اور اس محکمے کی طرف سے ''کھلے ماتھے'' کے ساتھ پیش آنا ہوتا ہے۔ اس محکمے یا شعبے کو ''پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ'' یا صرف ''P.R.MEN'' کہا جاتا ہے، لہٰذا ہمیں انفرادی طور پر بھی خوش خلق اور ملنسار ہونا چاہیے۔

مسکراہٹ کا انسان کی کامیابیوں میں نہایت گہرا دخل ہوتا ہے۔ ایک شخص کی مسکراہٹ بہت سی مسکراہٹوں کو جنم دیتی ہے۔ افسردہ و پژمردہ انسان سارے ماحول پر افسردگی طاری کر دیتا ہے۔ آپ سکول یا دفتر میں مغموم چہرہ لیے ہوئے آتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی معقول سبب ہو، مثلاً راستے میں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو یا کسی نے آپ سے بدتمیزی کی ہو، اس سے طبیعت کا مکدّر ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ ایسی صورت ہو تو اپنے ساتھیوں کو اس کی وجہ بتا دینی چاہیے تاکہ وہ آپ کی برہمی کی وجہ سے آگاہ ہو جائیں اور جس حد تک ممکن ہوگا وہ آپ کی دلجوئی بھی کریں گے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ آپ کے منہ بسورنے کے بارے میں ان کا دل صاف ہو جائے گا۔

ہمارا مطلب بلا وجہ منہ پھلائے رہنے سے ہے۔ اس سے جتنا ممکن ہو اجتناب کیا جانا چاہیے۔ غمگین ہونے کے باوجود بھی اگر مسکرانے کا موقع مل جائے تو ضرور مسکرائیے۔ ہمارے اسلاف نے اس سلسلے میں کئی مثالیں چھوڑی ہیں۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ایک حدیث میں فرمانِ نبوی ہے:

«تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ»

''اگر تم اپنے بھائی کے سامنے مسکراؤ تو یہ ایک صدقہ ہوگا۔''①

قرآنِ مجید میں آتا ہے:

﴿فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَىٰهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾

''چنانچہ وہ (سلیمان علیہ السلام) اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہنے لگے: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کی ہے اور اس بات کی بھی کہ میں ایسے نیک کام کروں جو تو پسند کرے، اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔'' (النمل 27:19)

نبیٔ اکرم ﷺ اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے لیکن کبھی کبھار آپ اس طرح بھی ہنستے کہ آپ کے دندانِ مبارک نظر آنے لگتے۔ آپ اس طرح نہیں ہنستے تھے کہ آپ کے منہ کا اندرونی حصہ نظر آنے لگتا ہو۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ»

''میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو اس طرح کھل کر کبھی ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا نظر آنے لگتا ہو، آپ صرف مسکراتے تھے۔''②

جلیل القدر صحابی سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

«مَا حَجَبَنِيَ النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِيْ إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي»

''جب سے میں نے اسلام قبول کیا، نبی ﷺ نے مجھے (اپنے پاس آنے سے) کبھی نہیں روکا اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا تو مسکرائے۔''③

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا:

''کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہنستے تھے؟''

تو اُنھوں نے کہا: ''ہاں! لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑ سے زیادہ سخت تھا۔''④

مطلب یہ کہ وہ ہنستے ضرور تھے لیکن ایمان کے دائرے میں رہتے ہوئے، اخلاقی قدروں کی پابندی کرتے ہوئے۔ وہ بلاوجہ اور فضول نہیں ہنستے تھے۔

ہنسنے سے دل کو تقویت ملتی ہے اور طبیعت میں بشاشت آتی ہے لیکن اس میں چند باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا جانا چاہیے۔ اوّل یہ کہ کسی کا مذاق اڑا کر ہنسی کا موقع پیدا نہیں کرنا چاہیے۔ بے ہودہ لطیفہ بازی اور فحش گفتگو کی مدد سے اہلِ مجلس کو ہنسانے کی کوشش نہیں کی جانی چاہیے۔ کسی کی ہکلاہٹ یا تتلاہٹ کو نشانہ بنا کر سامانِ تضحیک پیدا نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا خوش طبعی نہیں بلکہ بدذوقی ہے۔ اسلام کسی کی دل آزاری کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح دوا کو کسی خاص مقدارِ خوراک سے زیادہ پی لینا یا کھالینا ضرر رساں ہوتا ہے، اسی طرح حد سے زیادہ ہنسنا اور قہقہے لگانا بھی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں نبیِ رحمت ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

«وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ»

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''بہت زیادہ نہ ہنسا کرو، بلاشبہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔''⑤

اسی کو اعتدال کہا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں تمسخر اڑانے کے انداز میں ہنسنے کی ان الفاظ میں حوصلہ شکنی کی گئی ہے:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ﴾

''اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس (اپنے برحق ہونے کی) نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان نشانیوں کا تمسخر اڑانے لگے۔'' (الزخرف 47:43)

چہرے کو مسکراہٹ سے سجانے کی تلقین کرتے ہوئے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ»

''نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر مت سمجھنا، اگرچہ تو اپنے (مسلمان) بھائی کو خندہ روئی کے ساتھ ملے (مسکراتے ہوئے ملنا بھی نیکی ہے)۔''⑥

ممتاز مصنف احمد امین نے اپنی کتاب ''فیض الخاطر'' میں لکھا ہے:

''جو لوگ ہمیشہ ہنستے مسکراتے ہیں، وہ نہ صرف اپنی زندگیوں کو خوشگوار تر بنا لیتے ہیں بلکہ ان کے اپنے شعبوں کی کارکردگی بھی بہتر ہو جاتی ہے اور ان کے فرائض کی بجاآوری کا معیار بھی بلند تر ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ مشکلات پر آسانی سے قابو پا لیتے ہیں اور ان کی صلاحیتِ کار میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سے اُنھیں بھی فائدہ پہنچتا ہے اور دوسروں کو بھی۔''

---

① جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في صنائع المعروف، حديث:1956
② صحيح البخاري، الأدب، باب التبسم والضحک، حديث:6092
③ صحيح البخاري، الأدب، باب التبسم والضحک، حديث:6089
④ شرح السنة:318/12
⑤ جامع الترمذي، الزهد، باب من اتقى المحارم فهو أعبدالناس، حديث:2305
⑥ صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حديث:2626

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

افسردگی

کل جب آپ غمگین وافسردہ بیٹھے تھے تو کیا اس سے آپ کو کوئی فائدہ پہنچا تھا؟ ایک روز آپ کو اپنے بھائی کے فیل ہو جانے کی اطلاع ملی تو آپ بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ کیا آپ کی اس پریشانی نے آپ کے بھائی کو پاس کرا دیا تھا؟ جب آپ کی پریشانی سے حالات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تو پھر آپ اسے اپنے اوپر کیوں طاری کر لیتے ہیں۔ بہر حال پریشان ہونے اور خود پر پریشانی طاری کر لینے میں لطیف سا فرق ہے، اسے ضرور ملحوظ رکھیے۔ ''پریشانی طاری کر لینے'' سے انسان کی قوتِ عمل کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ البتہ احساسِ زیاں ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ یہ احساس ایک مثبت سوچ ہے جو آپ کو بہتر متبادل اختیار کرنے کی راہ دکھاتی ہے، مثلاً یہ کہ آپ کو اپنے جس بھائی کی امتحان میں ناکامی کی اطلاع ملی تھی، آپ اس کے لیے بہتر ٹیوشن کا انتظام کریں یا اس کی پڑھائی کی کمی کو دور کرنے پر خود توجہ دیں اور اسے کچھ وقت دیں اور اسے بہتر طالبِ علم بنانے کی کوشش کریں۔

آیئے! ذرا غموں اور پریشانیوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔

اگر آپ کے پاس مکان بڑا ہو تو کیا ضروری ہے کہ اس کا بڑا ہونا آپ کی پریشانیاں دور کر دے گا؟ کیا اس کی وسعت، اس کی صفائی ستھرائی کے کام کو بڑھا نہیں دے گی؟ کیا اس پر پراپرٹی ٹیکس کی مقدار بڑھ نہیں جائے گی؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے چھوٹے مکان کو وسعت نہ دیں۔ اپنی ضرورت کے مطابق ایسا ضرور

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کیجیے، مگر اس کے ساتھ نئے پیدا ہونے والے مسائل کو بھی ملحوظ رکھیے۔

کیا مال و دولت کی فراوانی، بڑا عہدہ اور ذہین بچے آپ کی ساری پریشانیوں کا شافی علاج ہیں؟ ایسا سمجھنا درست نہیں ہوگا۔ دولت بڑھتی ہے تو اسے سنبھالنے اور اسے مزید دولت پیدا کرنے کے لیے استعمال کرنے سے بھی نئی نئی اُلجھنیں جنم لیتی ہیں۔ اس پر مزید عائد ہونے والے ٹیکس بھی پریشانی کا سبب بن سکتے ہیں۔ ٹیکس بچانے کے لیے چند ہوشیار قسم کے وکلا کی ضرورت پڑتی ہے اور ان وکلا کو چونکہ آپ کے جملہ مالی راز معلوم ہوتے ہیں، اس لیے وہ اپنی مقررہ فیس پر کبھی اکتفا نہیں کرتے۔

.....

دولت مند لوگوں کا ایک بڑا مسئلہ، اولاد کا بگاڑ ہوتا ہے۔ ان میں محنت سے جی چرانا، کاہل اور لاپروا ہو جانا اور مائل عیش و عشرت ہو جانا عام بیماریاں ہوتی ہیں۔ دولت کی فراوانی بچوں کو کلبوں اور ہوٹل بازی وغیرہ کی طرف لے جاتی ہے۔ والد چونکہ کاروبار میں مسلسل دھنستا چلا جاتا ہے، اس لیے وہ ان کی نگرانی نہیں کر سکتا اور نہ ان کے ساتھ مل بیٹھ کر ان کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لے سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے لیے ٹیوٹر رکھوا دے اور اگر ٹیوٹر بھی مالی ترغیب میں آ کر ان کا ہم شغل اور ہم ذوق بن جائے اور والد کو اس کے بیٹوں کے بارے میں ''سب اچھا'' کی رپورٹ ملتی رہے تو پھر بقول شاعر ؎

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے، اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے؟

لہٰذا دولت کو ''آبِ حیات'' یا ''امرت دھارا'' نہ سمجھیے۔ یہ جتنے مسائل حل

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کرتی ہے، اس سے زیادہ مسائل پیدا کر دیتی ہے۔

اس ضمن میں زیادہ واقعات ان خاندانوں سے متعلق ہیں جن کا سربراہ، یعنی باپ کسی بیرونی ملک میں گیا ہوتا ہے۔ اس کے ڈالروں، پونڈوں یا ریالوں کی وجہ سے اہلِ خانہ کا معیارِ زندگی مصنوعی طور پر بلند ہو جاتا ہے۔ جوان اولاد ماں کے قابو میں نہیں رہتی۔ وہ گھر سے باہر نکل کر جو گلچھرے اڑاتی ہے، ان سے ماں بھی اتنی بے خبر ہوتی ہے جتنا کہ بیرونِ ملک بیٹھا ہوا باپ۔ مؤثر نگرانی نہ ہونے کے باعث اولاد کئی قسم کی آوارگیوں میں پڑ جاتی ہے۔ باپ کما کما کر بوڑھا ہو چکا ہے، وہ واپسی کا نام لیتا ہے تو سب پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ ابو! آپ واپس آ گئے تو گھر کیسے چلے گا؟ یعنی ہمارے لللے تللے کیسے جاری رہیں گے؟

بیوی اور اولاد کی مخالفت کے باوجود جو شخص گھر آ ہی گیا تو بگڑے ہوئے بچے اس کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں کیونکہ اس نے جو رقم بھیجی تھی وہ تو بچوں کے بڑھتے ہوئے معیارِ زندگی کی بھٹی میں جل گئی، اندوختہ تو ہے نہیں، اب خاندان کھائے کیا؟ جوان اولاد کو روک ٹوک کرتا ہے تو اسے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شکرِ نعمت

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اللہ نہ کرے آپ کے پاؤں نہ ہوں؟ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ آپ ساری ساری رات جاگتے رہیں اور آپ کو نیند ہی نہ آئے؟ (ماہرینِ نفسیات کے پاس بے خوابی کے بے شمار کیس آتے رہتے ہیں)۔ پانی کے بغیر زندگی ناممکن ہوتی ہے تو کیا آپ اللہ نہ کرے ایسے حالات کا تصور کر سکتے ہیں کہ آپ پانی جیسی نعمت سے محروم ہو جائیں؟ آپ اپنی سماعت، بصارت اور گویائی کی قوتوں پر غور کریں! یہ نہ ہوں تو آپ گونگے بہرے اور نابینا کہلائیں گے۔ آپ اپنی جِلد کو دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی خوبصورتی عطا کی ہے۔ اگر آپ کو جلد کی کوئی بیماری لگ جائے یا چہرے پر کوئی پھوڑا ہی نکل آئے تو آپ کسی کو اپنی شکل نہیں دکھا سکیں گے۔ اپنی قوتِ گویائی اور قوتِ استدلال پر غور کریں! اگر یہ نہ ہوں تو شاید معاشرے میں کوئی بھی آپ کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ اگر آپ صحیح الدماغ نہ ہوں تو شاید آپ کو اپنے اہلِ خانہ بھی ایک بوجھ اور مصیبت خیال کریں گے۔ ان کی کوشش ہوگی کہ آپ کو گھر کے اندر بند رکھا جائے اور اگر ضرورت پڑے تو وہ آپ کو باندھ کر رکھیں گے تاکہ آپ خود کو اور اہلِ خانہ کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو امراضِ دماغی کے ہسپتال میں داخل کرا کر آپ کو بالآخر بھول ہی جائیں۔

اگر ان صلاحیتوں کو بحال کرنا ہو، یعنی آنکھوں، کانوں، زبان اور دِل و دماغ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کا علاج کرانا ہو تو آپ اس پر کتنا خرچ کریں گے؟ اور کیا خرچ کر کے اُنھیں واپس لا سکیں گے یا نہیں؟

میں ایک ارب پتی شخص کے بارے میں جانتا ہوں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے عطا کیے لیکن بدقسمتی سے تینوں گونگے اور بہرے تھے۔ اس نے اندرونِ ملک کئی ماہرینِ ''ای این ٹی'' سے علاج کرایا جو کئی سال تک جاری رہا۔ بالآخر وہ فرانس کے ایک ماہرِ کان، ناک اور گلا سے جا کر ملا۔ اس نے علاج کی ہامی بھر لی اور 19 کروڑ روپے مانگے (یہ آج سے بیس برس پہلے کی بات ہے) اور یہ فیس اس وقت کے حساب سے طے ہوئی تھی، مگر اس نے بچوں کی مکمل بحالی کی پھر بھی ضمانت نہ دی، چنانچہ علاج نہ ہو سکا۔

آپ ہسپتالوں میں جائیے اور دیکھیے کہ ہمارے بھائی بند، ہماری مائیں اور بہنیں کیسے کیسے امراض میں مبتلا ہیں۔ آپ ان سے اظہارِ ہمدردی کیجیے، ان کی صحت یابی کے لیے دعائیں مانگیے اور ساتھ ہی اس سے عبرت بھی حاصل کیجیے کہ یہ لوگ کتنی اچھی صحت کے مالک ہوا کرتے تھے اور آج جب صحت باقی نہیں رہی تو اس کے لیے کتنے فکرمند ہیں؟ یہ دن ہم پر بھی آ سکتا ہے اور ایسا دن آنے سے پہلے ہمیں اپنی صحت مندی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کبھی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ صحت ہے تو آپ کے پاس سب کچھ ہے۔ صحت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔'' (النحل 16:18)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

درد کے مثبت اثرات

درد اور کرب سے کون شخص نا آشنا ہوگا؟ ہر کوئی کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی شکل میں ضرور اس سے دوچار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ مگر درد کے کچھ مثبت پہلو بھی ہوتے ہیں، مثلاً:

جب ہم درد میں مبتلا ہوتے ہیں تو بے ساختہ زبان پر اللہ کا نام آ جاتا ہے اور ہم بار بار اس کو پکارتے ہیں۔ اس طرح اُس کا پاک نام ہمارا وردِ زبان بن جاتا ہے جو ہمارے نامۂ اعمال میں مسلسل درج ہوتا رہتا ہے۔

بعض اوقات ایک طالبِ علم نالائق رہ جانے کے خوف اور دوسروں سے آگے بڑھنے کے شوق کی وجہ سے مسلسل مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ پڑھتے پڑھتے تنگ آ کر اس کے منہ سے ''اُف اللہ'' نکلتا رہتا ہے۔ وہ اپنے اوپر جبر کر کے پڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ مطالعہ کرنا اس کی عادتِ ثانیہ بن جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ اس کا شمار علماء و فضلاء میں ہونے لگتا ہے۔

شاعر کو شروع شروع میں کوئی اہمیت نہیں ملتی، پھر بھی وہ مشقِ سخن جاری رکھتا ہے اور ایسے افراد کا متلاشی رہتا ہے جو توجہ سے اس کا کلام سن سکیں۔ اس میں عموماً اسے ناکامی ہوتی ہے تو اُسے صدمہ ہوتا ہے۔ پھر وہ اکیلے ہی اپنا کلام بہ آواز بلند پڑھتا ہے۔ پڑھتے پڑھتے اس کے لب و لہجے میں ایک سوز پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا سوز اپنے سامعین خود تلاش کر لیتا ہے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دیکھا گیا ہے کہ شاعر عموماً معاشرتی اونچ نیچ اور ناانصافیوں کے خلاف بہ زبانِ شعر احتجاج کرتے ہیں۔ جو لوگ ناانصافیوں کا شکار ہوئے ہوتے ہیں، ان کے لیے اس شاعر میں ایک اپیل پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اس کے کلام میں اپنے جذبات کا عکس پاتے ہیں تو ایسی شاعری کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ راشد الخیری جنھیں ''مصورِ غم'' کہا جاتا ہے، وہ اچانک منظرِ عام پر نہیں آئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ابتدا میں اُنھیں پذیرائی نہ ملنے پر صدمے یا دردِ بے اعتنائی سے سابقہ پڑتا رہا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا کا بیشتر لٹریچر نامساعد حالت میں تیار ہوا ہے۔ مصنفین کو کسی نہ کسی وجہ سے قید و بند کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ بہت سا لٹریچر جیلوں میں لکھا گیا جن میں چند تفاسیر اور تراجم بھی شامل ہیں۔ یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کے لیے قید و بند، خیر انگیز ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ اس آزمائش سے دوچار ہونے والا شخص ابتلاؤں کے مثبت پہلو تلاش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

راہِ اعتدال

انسان کے جذبات کبھی ایک حال میں نہیں رہتے۔ کبھی اس پر غم کے بادل چھائے ہوتے ہیں اور کبھی اسے ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھری دکھائی دیتی ہیں۔ پہلی کیفیت میں وہ خود کو دنیا کا بدقسمت ترین شخص سمجھتا ہے۔ اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے جسے ''ڈیپریشن'' کی کیفیت کہا جاتا ہے۔ وہ سب سے کٹ کر گوشہ نشین ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے اس کی تکلیف مزید بڑھ جاتی ہے اور جب خوشی آتی ہے تو وہ دوسری انتہا پر چلا جاتا ہے۔ غرور و تکبر اور خود پر اِتراتا ہے۔ یہ خوشی کبھی کبھی اسے آپے سے باہر کر دیتی ہے اور اول فول بکتے ہوئے گستاخی کرنے لگتا ہے۔ یہ دونوں انتہا پسندی کے مظاہر ہیں اور راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ آقائے نامدار ﷺ کا ارشاد ہے:

«صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ: صَوْتٌ مِزْمَارٍ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَصَوْتُ وَيْلٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ»

''دو قسموں کی آوازوں پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک بانسری کی آواز ہے جو اس وقت نکالی جاتی ہے جب کوئی نعمت میسر آئے اور دوسری وہ تباہی و بربادی کی آواز ہے جو اس وقت نکالی جاتی ہے جب کوئی آفت نازل ہو۔''[1]

اس حدیثِ مبارکہ میں غم اور خوشی کی کیفیت کو باوقار انداز میں جھیلنے اور برداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی لمحات ہوتے ہیں جن میں انسان کی شخصیت

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

انسان پوری طرح نارمل اور معتدل کب ہوتا ہے؟ اس پر تو روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ البتہ خوشی اور غم کی آخری حدوں (Extremes) سے پیچھے رہنے کی شعوری کوشش اسے حدِ اعتدال کے قریب تر لے آتی ہے۔

اس کیفیت کو قریب تر لانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خوشی کے لمحات آئیں تو خوشیاں عطا کرنے والی ہستی، یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور ذہن میں لایا جائے اور اس سے دعا کی جائے کہ وہ ان لمحات کو دوام عطا فرمائے۔ غم کے اندھیرے چھا جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ سے لو لگائی جائے کہ وہ ہمیں اس کیفیت سے جلد از جلد نجات عطا کرے۔

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے کلام میں یہ بات بڑی واضح طور پر بیان ہوئی ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا
وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

یہاں دو تراکیب بہت بامعنی ہیں ''عیش اور یادِ خدا'' اور ''طیش اور خوفِ خدا'' انھیں ہمیشہ ذہن نشین رکھیے کیونکہ کلام کا اصل مغز یہی ہیں۔

---

① سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث:427

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خوشی کا فن

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت پُر سکون، مضبوط اور مسرور دل ہے کیونکہ حالتِ اطمینان میں انسان کا ذہن بالکل صاف ہوتا ہے اور اس کی قوتِ کارکردگی بڑھ جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خوشی ایک فن ہے جسے سیکھنا پڑتا ہے۔ اگر آپ اسے سیکھ لیں تو آپ کے بہت سے مسائل حل اور آپ کی بہت سی اُلجھنیں دور ہو جائیں گی۔ خوشی حاصل کرنے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنے اندر برداشت اور ہر قسم کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت پیدا کریں۔ کوئی مشکل پیش آئے تو اس سے ہرگز نہ گھبرائیں اور کسی قسم کی جھنجھلاہٹ اور تلخی کا مظاہرہ نہ کریں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا نوٹس نہ لیں۔ اپنے دل کو صاف رکھیں اور درگزر کرنے کا روّیہ اپنائیں۔ جب آپ نے صبر کرنا اور درگزر کرنا سیکھ لیا تو آپ کے اندر مشکلات برداشت کرنے کی صلاحیت بڑھ جائے گی اور وہ کام جو آپ کو پہلے بہت دشوار لگتے تھے، اب آسان دکھائی دینے لگیں گے۔

مطمئن ہونے کے برعکس کیفیت کو بے چینی، عاقبت نااندیشی اور کوتاہ نظری کہا جاتا ہے۔ ایسا شخص سوائے اپنے فائدے کے کچھ بھی نہیں سوچتا۔ اسے اپنے گردو پیش میں اور دنیا میں اپنے سوا کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ہمیشہ (Me first) ''میں پہلے'' کا نعرہ لگاتا ہے۔

ایسے لوگ اپنے آپ کو مرکزِ کائنات سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوسروں کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور نہ ہی دوسرے لوگوں کی بھلائی اور فلاحِ عامہ سے انھیں کوئی سروکار ہوتا ہے۔

آیئے! کوشش کریں کہ ہم تنگ نظری اور خودغرضی کا رویہ ترک کر کے اپنے اندر دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا کریں۔ کبھی کسی کی دل آزاری نہ کریں۔ کسی کو نیچا دکھانے اور خود کو برتر ثابت کرنے کی کوشش بھی نہ کریں۔

خوشی کے فن کا بنیادی اصول اپنے خیالات کو لگام دینا اور انھیں وادی وادی گھومنے سے روکنا ہے۔ اگر آپ انہیں لگام نہیں دیں گے تو وہ آپ کو ایسی جگہوں پر لیے پھریں گے جہاں آپ کو آوارگی اور بے راہ روی ہی سوجھے گی۔ ایسے خیالات آپ کے سامنے ماضی کے دکھڑوں اور ابتلاؤں کی ایک طویل فہرست کھول کر رکھ دیں گے اور اس زمانے کی باتیں بھی یاد دلائیں گے جب آپ نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھا تھا۔ ناخوش گوار باتیں بار بار ذہن میں لانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لیے آپ کو اپنا ذہن سنجیدہ باتوں پر مرکوز رکھنا چاہیے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾

''اور آپ اس ہمیشہ زندہ (اللہ) پر توکل کیجیے جس کو موت نہیں اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کو کافی ہے۔'' (الفرقان 58:25)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

زندگی کی رنگارنگی

انسان کو ایک ہی قسم کا کام بار بار کرنا پڑے تو وہ لازماً اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر معمولات میں تنوع (قسم قسم کا ہونا، مختلف رنگ کا ہونا) نہ ہو تو طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات میں تنوع کا انتظام کر رکھا ہے۔ اگر آپ ایک ہی جگہ رہتے رہتے تنگ آ گئے ہوں تو زمین میں چل پھر کر قدرتِ الٰہی کے مظاہر دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ﴾

"کہہ دیجیے: تم زمین میں سیر کرو، پھر دیکھو اس نے مخلوق پہلی بار کیسے پیدا کی، پھر اللہ ہی (اسے) دوسری بار پیدا کرے گا۔" (العنکبوت 20:29)

اللہ تعالیٰ نے اس نقطۂ نظر سے بھی زمین کی سیر کا حکم دیا کہ ہم مختلف قوموں کے طور طریقوں کو دیکھیں۔ یہ بات ہمیں ان قوموں کے عروج و زوال کے مطالعے کی بھی دعوت دیتی ہے۔ ربّ ذوالجلال نے جو تنوّعات پیدا کیے ہیں ان میں رات اور دن کا تنوع بھی ہے، وادیوں اور پہاڑوں کا تنوع بھی ہے، سفید اور سیاہ گرم اور سرد، دھوپ اور سایہ، خشکی اور تری اور ترش اور شیریں کے تنوّعات بھی موجود ہیں۔

مکھیوں کے پیٹ میں سے برآمد ہونے والے شہد کے مختلف رنگوں کی طرف

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

''ان کے پیٹوں میں سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بے شک اس میں بھی غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔'' (النحل 16:69)

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾

''اور زمین میں باہم ملے ہوئے قطعات ہیں، اور انگور کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں جو جڑ سے ملے ہوئے ہیں اور جدا جدا، جو ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ ہم بعض پھلوں کو بعض پر ذائقے میں فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں ان کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔'' (الرعد 13:4)

سورۃ الأنعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے اور کھجور اور فصلیں (پیدا کیں) ان کے پھل (مزے میں) مختلف ہیں اور زیتون اور انار (پیدا کیے) ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی۔ ان کا پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق دے دیا کرو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الأنعام 141:6)

سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ﴾

''اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ گھاٹیاں ہیں، ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ بھی۔'' (فاطر 27:35)

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ﴾

''اور (اے بنی اسرائیل) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکال دے جو زمین اُگاتی ہے، (یعنی) اس کی ترکاری، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا: کیا تم کمتر چیز لینا چاہتے ہو

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بدلے اس چیز کے جو بہتر ہے؟ اترو کسی شہر میں تو بے شک وہاں تمھارے لیے وہی کچھ ہے جس کا تم نے سوال کیا۔ اور اُن پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔" (البقرۃ 61:2)

سورۂ آل عمران میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

"جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" (آل عمران 191:3)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تقدیر کا زاویہ

کہتے ہیں کہ ایک شخص گھر سے مزدوری کے لیے نکلا۔ وہ کسی تاجر کی تلاش میں تھا جو اس سے کام لے اور اس کو معاوضہ ادا کرے۔ وہ جس منڈی کی طرف جا رہا تھا، اس کے راستے میں ایک سنسان جنگل تھا۔ وہ ذرا ستانے کے لیے بیٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک چڑیا کا بچہ اپنے گھونسلے میں بیٹھا ''چیں چیں'' کر رہا ہے۔ شاید اسے بھوک لگی ہوگی۔ اس کی ماں اس کے لیے دانہ دُنکا لانے کے لیے کہیں گئی ہوگی اور شاید کسی شریر بچے کی غلیل کے پتھر کی زد میں آ کر مر چکی ہوگی۔ وہ اس کے بارے میں ابھی غور کر رہا تھا کہ ایک عقاب آیا اور اس کے کھلے منہ میں کھانے کی کوئی چیز ڈال کر چلا گیا۔

مزدور کا ذہن فوراً یہ سوچنے لگ گیا کہ روزی تو یوں بھی مل جاتی ہے کہ عقاب نے بجائے اُسے اپنا نوالہ بنا لینے کے، اس کے منہ میں چوگ ڈال دی ہے تو میں کیوں مارا مارا پھر رہا ہوں؟ میری تقدیر میں جو لکھا ہے، مجھے بھی مل کر رہے گا، چنانچہ اس نے روزی کی تلاش ترک کر دی اور چڑیا کے بچے کی طرح انتظار میں بیٹھ گیا۔ دو دن گزر گئے تو بھوک بُری طرح ستانے لگی۔ اتنی ہمت بھی نہ رہی کہ جس منڈی کو جانے کے ارادے سے نکلا تھا، اس کی طرف کا باقی ماندہ فاصلہ ہی طے کر لے، چنانچہ وہ سو گیا۔

خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ صورت شخص نے اس سے کہا کہ جو کچھ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تُو نے دیکھا وہ درست تھا، مگر تو نے چڑیا کا ایک کمزور بچہ بننے کے بارے ہی میں کیوں سوچا؟ عقاب بننے کا کیوں نہیں سوچا؟ اُٹھ ہمت کر اور عقاب بننے کی فکر کر اور کما، خود بھی کھا اور اپنے سے کمزوروں کو بھی کھلا۔

اس نے چڑیا کے بچے کی بے بسی ہی سے اپنے لیے رہنمائی حاصل کی تھی، حالانکہ وہ اشرف المخلوقات میں سے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے تقدیر کو سرے سے سمجھا ہی نہیں تھا۔

تقدیر کا مسئلہ صرف کتاب وسنت کی روشنی میں سمجھنے پر موقوف ہے۔ اس میں قیاس اور عقل کا مطلق دخل نہیں ہے۔ جو شخص کتاب وسنت کی روشنی سے ہٹ کر اسے سمجھنے کی کوشش میں لگا وہ گمراہ ہو گیا اور حیرت واستعجاب کے دریا میں ڈوب گیا اور اس نے چشمۂ شفا کو نہیں پایا اور نہ اس چیز تک پہنچ سکا جس سے اس کا دل مطمئن ہو سکتا، اس لیے کہ تقدیر اللہ کے بھیدوں میں سے ایک خاص بھید ہے۔ اللہ نے اپنی ذاتِ علیم وخبیر کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے اور مخلوق کی عقلوں اور ان کے علوم اور تقدیر کے بیچ میں پردے ڈال دیے ہیں۔ یہ ایسی حکمت ہے جس کا علم کسی مرسل نبی اور مقرب فرشتے کو بھی نہیں دیا گیا۔

تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے اور جزوِ ایمان ہے۔ یعنی جو کچھ بُرا بھلا اور چھوٹا بڑا دنیا میں قیامت تک ہونے والا تھا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ٹھہر چکا ہے۔ اسی کے مطابق ظاہر ہوگا اور بندے کو ایک ظاہری اختیار دیا گیا ہے جسے کسب کہتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ بندہ نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل مختار ہے۔ اہلِ سنت والجماعت صحابہ کرام اور جماعتِ سلف صالحین کا یہی اعتقاد تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

«كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ»

''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی۔ اس وقت پروردگار کا عرش پانی پر تھا۔''[1]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾

''زمین میں اور تمھاری جانوں پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تو کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔ یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔'' (الحدید 22:57)

ایک موقع پر نبیٔ اکرم ﷺ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو چند نصیحتیں کیں، ان میں سے ایک یہ تھی:

«وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

''تجھے یقین ہونا چاہیے کہ اگر تمام امت تجھے کوئی فائدہ پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تجھے فائدہ نہیں پہنچا سکتی مگر اسی قدر کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھا ہے اور اگر تمام لوگ تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اسی قدر کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں لکھا ہے۔ قلمیں اُٹھالی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گئیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔"[2]

ابن دیلمی کو نصیحت کرتے ہوئے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

«وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ»

"جان لو کہ جو کچھ تمھیں پہنچنا ہے، وہ کسی صورت ٹل نہیں سکتا اور جو ٹل گیا وہ کسی صورت تمھیں پہنچ نہیں سکتا۔"[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجِزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَرُ اللهِ، وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»

"ان کاموں کی حرص کر جو تیرے لیے مفید ہیں (آخرت میں کام آئیں) اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ اور ہمت نہ ہار اور اگر تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ: اگر میں ایسے کرتا تو ایسا ایسا ہو جاتا، لیکن یوں کہہ: اللہ کی تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا، اس نے جو چاہا کیا کیونکہ اگر مگر کرنا شیطان کے لیے راہ کھولنا ہے۔"[4]

---

① صحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم وموسىٰ عليهما السلام، حديث: 2653

② جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة، حديث: 2516

③ سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4699

④ صحيح مسلم، القدر، باب الإيمان بالقدر والإذعان، حديث: 2664

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

عبادات کے ضمنی فوائد

ہماری جتنی بھی عبادات ہیں ان کا اوّلین مقصد تو احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی ﷺ کی تکمیل ہے کیونکہ ان کا تعلق عالمِ آخرت میں دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور درجات کی بلندی سے ہے مگر ان کے کچھ ضمنی فوائد بھی ہیں جو دنیا ہی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔

ہماری عبادات میں سے کچھ کا تعلق دل سے، کچھ کا زبان سے اور کچھ کا ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کو حرکت دینے سے ہے، جیسے کھڑے ہونا، جھکنا (رکوع)، ہاتھ پاؤں اور پیشانی کے بل زمین سے لگ جانا (سجدہ)، دوزانو ہو کر بیٹھنا (قعدہ) رمضان کے فرض روزے یا بعد میں نفلی روزے رکھنا وغیرہ۔

ان کے ضمنی فوائد میں جملہ اعضائے بدن کی ورزشیں شامل ہیں۔ قومہ، رکوع وسجود اور قعدہ میں ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کی ورزش، بازوؤں، ہاتھوں، گھٹنوں پنڈلیوں اور رانوں کی ورزش ہوتی ہے۔ گویا عبادات میں دین ودنیا دونوں کے فوائد مضمر ہوتے ہیں۔

اگر آپ صبح کے وقت باغات کی طرف نکل جائیں تو آپ بہت سے افراد کو جن میں ہر عمر کے مرد، عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں، تیز تیز یا دھیمے دھیمے چلتے ہوئے پائیں گے۔ یہ سب لوگ ڈاکٹروں کے مشوروں کے تحت صبح کی سیر کو آتے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ ہوگی کہ وہ اس سیر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کا آغاز فجر کی باجماعت نماز سے کریں۔ اگرچہ ان میں ایک خاصی تعداد یقیناً نمازیوں کی بھی ہوگی لیکن ہمارا مطلب اس کا باقاعدہ اہتمام کرنے سے ہے۔ اگر اس میں یہ نیت بھی شامل ہو کہ میں اپنی صحت اس لیے بہتر بنانا چاہتا ہوں کہ میں ''مومن قوی'' بنوں تو یہ زیادہ بہتر اور اللہ کو زیادہ پسندیدہ ہے، جیسا کہ نبیٔ رحمت ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ»

''قوی مومن، ضعیف مومن کی بہ نسبت بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔''①

itsurdu.blogspot.com

① صحيح مسلم، القدر، باب الإيمان بالقدر والإذعان له، حديث:2664

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بے چینی، اضطراب اور اندیشے

سورۃ الم نشرح کی پہلی آیت میں نبیٔ اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾

"(اے نبی ﷺ!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟" (الم نشرح 94:1)

قرآنِ مجید میں سینہ کھولنے کا لفظ جتنے مواقع پر بھی آیا ہے، ان میں ہر قسم کے ذہنی خلجان اور تردّد سے پاک ہو کر کامل یکسوئی سے اسلام کی راہ پر گامزن ہونے کی تلقین کی گئی ہے اور آگے کی بڑی بڑی مہموں اور سخت سے سخت کاموں کو سرانجام دینے کے لیے نبی ﷺ کا حوصلہ بڑھایا گیا ہے۔

اس آیت میں ان سب لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے جو جادۂ حق پر چل رہے ہیں اور صداقتوں کا علم اٹھائے ہوئے ہر قسم کے نامساعد حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

"کیا پھر وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے (وہ سخت اور تنگ دل کافر کے برابر ہو سکتا ہے؟) چنانچہ ہلاکت ہے ان کے لیے جن کے دل اللہ کی یاد کے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آبِ حیات

معاملے میں سخت ہیں۔ وہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔" (الزمر 22:39)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سچ سے دل کھلتا ہے اور جھوٹ سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ سورۃ الأنعام میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾

"چنانچہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے، اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے، جیسے وہ آسمان میں چڑھ رہا ہو۔ (الأنعام 125:6)

چنانچہ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

"اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔" (آل عمران 122:3)

جب ہمارے لیے اتنا مضبوط سہارا موجود ہے، تو ہمیں دور از کار قسم کے اندیشوں میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

تقدیر میں جو کچھ ہمارے لیے لکھا ہے، اسے تو لکھنے والا ہی جانتا ہے جو علّام الغیوب (سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا) بھی ہے اور قادرِ مطلق بھی۔ وہ چاہے تو آنے والی بلا کو ٹال بھی سکتا ہے۔ ہم نبیٔ رحمت ﷺ کے اس ارشاد کو بھی جانتے ہیں:

«لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ»

"تقدیر کو کوئی چیز رد نہیں کرتی مگر دعا۔"①

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع و خضوع سے دعا کی جائے تو وہ رُخِ گردشِ ایام بدل سکتا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ یہ دُعا مانگا کرتے تھے:

KOHAT PUBLIC LIBRARY, KOHAT ACCESSION NO: 4915

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ»

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں غم والم سے، عاجزی، سستی، بزدلی، بخل، قرض چڑھ جانے اور لوگوں کے غلبے سے۔''②

ہماری بعض پریشانیاں ہماری بے وقت کی سوچوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ایسی سوچیں ہمیں طرح طرح کے خیالات اور اوہام میں مبتلا کیے رکھتی ہیں۔ ان سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ یہ سمجھ کر جئیں کہ آج آپ کی زندگی کا آخری دن ہے۔ اگر آپ اپنے اوپر یہ سوچ طاری کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پریشانی فوراً دور ہو جائے گی۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا:

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»

''دنیا میں ایسے رہو گویا تم ایک پردیسی یا راہ گیر ہو۔''

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

«إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ»

''جب شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور جب صبح ہو جائے تو شام کے منتظر نہ رہو۔ اپنی صحت کو مرض سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔''③

بہ الفاظ دیگر آپ صرف گزرے لمحات میں دل وجان اور جسم سمیت جینے کی کوشش کریں۔ نہ ماضی کے بارے میں پریشان ہوں اور نہ مستقبل کی باتیں سوچ سوچ کر مبتلائے فکر ہوں۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے:

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مَامَضٰی فَاتَ وَالْمُؤَمَّلُ غَیْبٌ وَلَكَ السَّاعَةُ الَّتِي أَنْتَ فِیهَا

''ماضی ہمیشہ کے لیے جا چکا اور جس کے آنے کی توقع کی جاتی ہے وہ اَن دیکھا ہے۔ تو تیرے پاس جو کچھ ہے وہ ساعتِ موجود ہے، اسی میں جینے کی کوشش کر۔''

ماضی کی سوچوں میں غرق رہنا اور گڑے مردوں کو اکھاڑ کر حال کو خراب کرنا غیر صحت مند ذہن کی علامات ہیں۔ چینی کی ایک کہاوت ہے:

"Do not cross the bridge until you reach it"

''پُل پر پہنچنے سے پہلے اسے پار نہ کرو۔''

اسی طرح ایک فارسی مقولہ بھی ہے:

''آب ندیدہ موزہ کشیدہ''

''ندی پر پہنچنے سے پہلے ہی جوتے اتار لینا دانشمندانہ بات نہیں ہے۔''

آپ پل پر سے اسی وقت گزریں جب وہاں پہنچ جائیں اور جوتا بھی اسی وقت اتاریں جب ندی میں پاؤں رکھنا ضروری ہو جائے۔

سلف صالحین میں سے ایک بزرگ کا قول ہے:

''اے آدم کے بیٹو! تمھارے پاس صرف تین دن ہیں: گزرا ہوا کل..... وہ تو تمھیں چھوڑ چکا۔ آنے والا کل..... اس کو تو ابھی آنا ہے، اور جو آج کا دن ہے، تو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو۔''

جس شخص نے ماضی، حال اور مستقبل کی پریشانیوں کا بوجھ سر پر اٹھا رکھا ہو، وہ صحیح معنوں میں کیسے جی سکتا ہے؟ اسے سکونِ قلب کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟ جو کچھ گزر چکا ہے اور واقعات کی گرد بھی بیٹھ چکی ہے، اسے بار بار دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جو آدمی ماضی کے بوجھ کو اٹھائے پھرتا ہے، وہ اس کا درد ہمیشہ محسوس

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کرتا رہتا ہے۔ لیکن یہ درد اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ گزشتہ سطور میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد گزرا ہے:

''جب شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور جب صبح ہو جائے تو شام کے منتظر نہ رہو۔''

اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اس دنیا سے زیادہ لمبی چوڑی امیدیں وابستہ نہ کرو۔ موت کو آنے والی سمجھو اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال اکٹھے کرو تاکہ آخرت کے لیے اچھا خاصا توشہ جمع ہو جائے۔ وہ بہت لمبا سفر ہوگا۔ اُسے موجودہ زندگی کے ماہ وسال کے پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکتا۔ مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر سب کو بتا دیا جائے گا کہ بس اب موت ختم اور ہمیشہ رہنے والی زندگی آ چکی ہے۔ اصل عیش وآرام وہی ہوگا جو وہاں نصیب ہوگا، ان خوشیوں کو کوئی بھی نہیں چھین سکے گا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

«اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ»

''اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما۔''④

---

① جامع الترمذي، القدر، باب ماجاء لايرد القدر إلاالدعاء، حديث:2139

② صحيح البخاري، الدعوات، باب الاستعاذة من الجبن والكسل، حديث:6369

③ صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ:(كن في الدنيا كأنك غريب)، حديث:6416

④ صحيح البخاري، الرقاق، باب الصحة والفراغ، ولاعيش إلا عيش الآخرة، حديث:6414

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سُستی اور کاہلی

مشاہدے میں آیا ہے کہ پریشان حال لوگوں میں اکثریت سُست اور بے عمل لوگوں کی ہوتی ہے۔ انھیں گپ بازی اور افواہ سازی کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ افواہوں اور گپ کے لیے انھیں غیبت اور چغل خوری بھی کرنا پڑتی ہے۔

سُستی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے لیے کوئی مفید اور دلچسپ مشغلہ تلاش کریں، مثلاً: لکھنا، پڑھنا، تلاوت کرنا، اچھے دوستوں سے ملاقات کے لیے جانا اور بیماروں کی بیمار پرسی کرنا وغیرہ۔ ان میں سے جو مصروفیت بھی آپ اختیار کر سکیں، وہ آپ کو کاہلی اور سُستی سے بچائے گی۔

لوگوں سے میل ملاپ اور تعلقات بڑھانے کے راستے میں بعض اوقات یہ رکاوٹ پڑ جاتی ہے کہ وہ آپ کی توقع کے مطابق آپ کا پُرجوش خیر مقدم نہیں کرتے۔ آپ ان کے رویے کی پروا نہ کریں اور اپنا کام تن دہی سے جاری رکھیں۔ آپ کا ہمدردانہ رویہ آخر کار ضرور رنگ لائے گا اور لوگ اپنی مجالس میں آپ کی شرکت کو ناگزیر سمجھیں گے۔

ایک بہت بڑے فقیہ کا یہ طرزِ عمل بڑا مفید اور دلچسپ تھا۔ وہ یہ کرتے کہ اپنے علاقے کی مسجد میں نماز کے بعد کسی دوسرے محلے کی مسجد کے قریب جا پہنچتے جہاں لوگ نماز پڑھ کر باہر نکل رہے ہوتے۔ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے مصافحہ کرتے اور ان کی خیریت و عافیت پوچھتے۔ اس طرح سلام دعا کا تبادلہ ہوتا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

رہتا اور وہ مسلمان بھائیوں سے خندہ پیشانی سے ملنے کا ثواب بھی کماتے۔ آج کل کسی کے پاس ''فالتو'' وقت ہو اور وہ اسے بہتر مصرف میں لانے سے قاصر رہے تو کہتا ہے:

''میں بور ہو رہا ہوں۔''

اسے انگریزی میں ''Killing the time'' (وقت کو قتل کرنا) کہا جاتا ہے۔ بھلا وقت کو کون ''Kill'' کر سکتا ہے؟ جتنا وقت وہ بزعمِ خویش ''قتل'' کرتا ہے، وہ دراصل ہاتھ سے نکل جانے والا وقت ہوتا ہے جسے کبھی واپس نہیں آنا ہے۔ اور وہ بالآخر ہمارے لیے ایک پچھتاوا بن جاتا ہے۔ پنجاب کے دیہی علاقوں میں کسی زمانے میں ''پکی روٹی'' نام کی ایک کتاب بہت پڑھی جاتی تھی۔ یہ پنجابی زبان میں تھی۔ اس کتاب کے آخری صفحے پر ایک نہایت رقت انگیز نظم اُردو میں لکھی ہوئی تھی۔ نظم کے چند اشعار میری یادداشت کے مطابق یہ تھے ؎

دلا! غافل نہ ہو یک دم، یہ دنیا چھوڑ جانا ہے
باغیچے چھوڑ کر خالی، زمیں اندر سمانا ہے
تیرا نازک بدن بھائی، جو لیٹے سیج پھولوں پر
ہووے گا ایک دن مردار، یہ کرموں نے کھانا ہے
اجل کے روز کو کر یاد، کر سامان چلنے کا
زمیں کے فرش پر سونا، جو اینٹوں کا سرہانا ہے
کہاں وہ ماہِ کنعانی، کہاں تختِ سلیمانی
گئے سب چھوڑ یہ فانی، اگر نادان و دانا ہے
نظر کر ماڑیاں خالی، کہاں وہ ماڑیاں والے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سبھی کوڑا پسارا ہے، دغا بازی کا بانا ہے
فرشتہ روز کرتا ہے منادی چار کوٹوں پر
محلاں اونچیاں والے تیرا قبریں ٹھکانا ہے

کیا انسان وقت کو قتل کرتا ہے یا وقت انسان کو قتل کرتا ہے۔ جس مٹی کے پُتلے کو آخر میں اس حشر سے دوچار ہونا ہے، وہ وقت کو کیسے قتل کر سکتا ہے؟ ایسا کہنے والے لوگوں کو تو اپنی عقل کا ماتم کرنا چاہیے جو انھیں وقت کا مصرف نہیں بتا سکی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

توبہ

جیسا کہ پیچھے ذکر آ چکا ہے، غمگین ہونے یا تقدیر سے ناراض ہونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا اور نہ آپ کی خواہش پر گھڑی کی سوئیاں رُک سکتی ہیں۔ سورج اور چاند کو اپنے اپنے مدار میں گردش بند نہیں کرنی ہے۔ آپ کے قدموں کو پیچھے کی سمت میں نہیں چلنا اور نہ دریا کو الٹے رُخ بہنا شروع کر دینا ہے۔

جتنے دن کوئی شخص غمگین وسوگوار رہتا ہے، وہ اس کی زندگی کے دن نہیں ہوتے۔ زندگی میں صرف وہ دن شمار ہوتے ہیں جن میں آپ خوش اور مطمئن ہوں۔ اس لیے آپ کو خوش رہنے کی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ ان میں ایک تدبیر گناہوں کی معافی مانگنا بھی ہے۔ جو شخص خلوصِ دل سے توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ جب آپ ذیل میں مذکور اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھتے ہیں تو کیا آپ کے دل پر سکینت طاری نہیں ہوتی، کیا آپ کی پریشانیاں دور نہیں ہوتیں اور کیا آپ کے جسم کے روئیں روئیں میں خوشی کی لہر نہیں دوڑ جاتی؟

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

”آپ کہہ دیجیے: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا نہایت رحم

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کرنے والا ہے۔" (الزمر 53:39)

اللہ تعالیٰ نے انھیں "اے میرے بندو" کہہ کر اس لیے مخاطب کیا کہ ان کے دلوں اور روحوں کو اطمینان ہو جائے کہ ہمارا رب ہم پر شفقت فرمانے لگا ہے۔ اس نے خاص طور پر ان لوگوں کا ذکر کیا جو ظلم کرنے کی طرف زیادہ رجحان رکھتے ہیں اور زیادتی کی روِش اختیار کیے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بہ کرم ہے تو وہ دوسروں پر کتنا کرم کرے گا! اس طرح اس نے انھیں مایوس ہونے سے منع کیا اور کہا کہ میں تمھارے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دوں گا، بشرطیکہ تم اپنی زیادتی کی روش سے باز آ جاؤ، یعنی توبہ کر لو اور ہر چھوٹے بڑے گناہ پر معافی مانگو اور آئندہ ان کا اعادہ نہ کرنے کا وعدہ کرو۔

اب ذیل میں نبیِ اکرم ﷺ کے چند فرمودات کا مطالعہ کیجیے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ فِيكَ وَلَا أُبَالِي، يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِي، يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً»

"اے ابنِ آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھے گا، تیرے اعمال جیسے بھی ہوئے، میں تجھے معاف کرتا رہوں گا اور مجھے تیرے گناہوں کی کوئی پروا نہیں۔ اے ابنِ آدم! تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کروں گا۔ اے ابنِ آدم! اگر تو اتنے گناہ لے کر آئے کہ روئے زمین بھر جائے تو میں تیری اتنی ہی مغفرت کردوں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔"①

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَ يَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا»

"اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا (رات کی تاریکی میں) توبہ کرلے۔ اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات (کی تاریکی) میں گناہ کرنے والا (دن کے اُجالے میں) توبہ کرلے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو (جو قربِ قیامت کی نشانی ہے، اس کے بعد توبہ قبول نہ ہوگی)۔"②

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ قدسی میں فرمانِ الٰہی ہے:

«يَا عِبَادِي! إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ، وَ أَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ»

"اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں، چنانچہ مجھ سے بخشش طلب کرو میں تمھیں بخش دوں گا۔"③

توبہ کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر پسندیدہ ہے اور بندے کے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کس قدر خوشی ہوتی ہے!

اے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان گرامی میں ملاحظہ کریں:

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

«لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتَى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اللّٰهُمَّ! أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ»

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے، جب وہ توبہ کرتا ہے، اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی بے آب ودانہ جنگل میں اپنی سواری پر سوار ہو، اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی ہو کہ وہ سواری اس سے چھوٹ جائے۔ (تلاش بسیار کے بعد) وہ اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے تلے آ کر لیٹ جائے جبکہ وہ سواری سے مایوس ہو چکا ہو، کہ اتنے میں اچانک وہ سواری اس کے سامنے آ کھڑی ہو۔ وہ اس کی مہار پکڑ کر خوشی کی شدت میں کہہ ڈالے: اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ خوشی کی وجہ سے وہ غلط الفاظ کہہ دیتا ہے۔''[4]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ، فَيَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ»

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں ختم کر دے گا اور ایسی قوم کو لائے گا جو گناہ کریں گے، پھر اس سے بخشش مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔''[5]

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»

''تمام بنو آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔''[1]

کم وبیش یہی مفہوم ذیل کی فارسی رباعی میں ہے:

باز آ ، باز آ ، ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بُت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

''باز آ جا، باز آ جا۔ تو جو کوئی بھی ہے، باز آ جا۔ اگر تو کافر و آتش پرست اور بت پرست ہے، تب بھی لوٹ آ۔ یہ میرا دربار ناامیدی کا دربار نہیں، اگر تو نے سو بار توبہ توڑی ہے، تب بھی واپس آ جا۔''

---

① جامع الترمذي، الدعوات، باب الحديث القد سي: يا ابن آدم إنک مادعوتني: حديث:3540

② صحيح مسلم، التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب.....، حديث:2759

③ صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث:2577

④ صحيح مسلم، التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، حديث:2747

⑤ جامع الترمذي، صفة القيامة، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة، حديث:2749

⑥ جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في استعظام المؤمن ذنوبه، حديث:2499

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

صبر اور انتظار

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ﴾

''کیا صبح قریب نہیں؟'' (ھود 81:11)

نافرمانوں اور باغیوں کا انجام قریب تر ہے اور غم زدہ اور پریشان حال لوگوں کی صبح ظاہر ہونے والی ہے، چنانچہ صبح کے منتظر رہیے اور بندوں کے لیے رزق و رحمت کے دروازے کھولنے والی ہستی کی طرف سے فتح کے منتظر رہیے۔

اگر سیاہ بختی کے دن آ گئے ہیں تو یہ اسی طرح گزر جائیں گے جس طرح خوشی کے دن گزر گئے تھے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ﴾

''اور یہ تو دن ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔'' (آل عمران 140:3)

چنانچہ اگر اب ہماری باری آ ہی گئی ہے تو صبر سے اس کے گزر جانے کا انتظار کیا جانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

مجھے ایک عرب کی یہ دعا بڑی پیاری لگی جو میرے گاؤں کے ایک قاری صاحب نے سنائی۔ وہ سعودیہ میں کئی سال بچوں کو قرآن حفظ کراتے رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک بدو غلافِ کعبہ کو پکڑے ہوئے رِقّت کے عالم میں کہہ رہا تھا:

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''اے میرے رب! مجھے یہ عطا کردے، میری قسمت میں نہیں لکھی تو ثواب لکھ دے۔ تیرے لیے تقدیر لکھنا کونسا مشکل کام ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی فرماتا ہے۔'' (الطلاق 4:65)

سورۃ الم نشرح میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾

''پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔'' (الم نشرح 94:5، 6)

ایک دوسرے مقام پر فرمانِ رب العالمین ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔'' (الطلاق 2:65)

مومن خوشحالی میں ہو یا تنگ حالی میں، کسی بھی حالت میں خیر اور بھلائی سے خالی نہیں ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ»

''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لیے بھلائی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہے۔اور یہ چیزیں مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔اگر اسے خوش حالی نصیب ہو اور وہ (اس پر اللہ کا) شکر کرتا ہے تو (یہ شکر کرنا بھی) اس کے لیے بہتر ہے (اس میں اجر ہے) اور اگر اسے تکلیف پہنچتے اور وہ صبر کرتا ہے تو یہ (صبر کرنا بھی) اس کے لیے بہتر ہے (کہ صبر بھی بذاتِ خود نیک عمل اور باعثِ اجر ہے)۔"[1]

صبر کی فضیلت میں نبیٔ اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ»

"کسی شخص کو ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔"[2]

اگر مصیبتوں بھری صبح طلوع ہو گئی ہے تو دیکھتا رہ، دکھوں کے سورج کو آخر غروب ہی ہونا ہے۔ایک عربی محاورہ ہے:

«إِذَا اشْتَدَّ الْحَبْلُ انْقَطَعَ»

"جب رسی بہت زیادہ تن جائے تو وہ یقینی طور پر ٹوٹ جاتی ہے۔"

بہ الفاظ دیگر اگر ناساز گار حالات کا اندھیرا چھا گیا ہے، تب بھی روشنی کی کرنیں پھوٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

پیوستہ رہ شجر سے، امیدِ بہار رکھ

---

① صحيح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث:2999

② صحيح البخاري، الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، حديث:1469
وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل التعفف والصبر.....، حديث:1053

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہے جو جھوٹ اور منافقت سے آپ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

جب آپ پڑھتے ہوئے کتاب کے ورق پر ورق الٹتے جائیں گے تو آپ کی ذہانت بڑھتی رہے گی اور کئی مفید باتیں آپ کے ذہن میں اپنے لیے جگہ بناتی رہیں گی۔ سوانحِ حیات پر لکھی ہوئی کتابوں سے آپ کو عام لوگوں کی پسند کی باتیں بھی معلوم ہوتی رہیں گی اور بادشاہوں کے طور طریقوں کا بھی پتہ چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات آپ ایک ماہ کی کتب بینی سے اتنا کچھ سیکھ جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کی زبانی صدی بھر میں سنی ہوئی باتوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

پڑھنے کے بے شمار فائدے ہیں لیکن نقصان ذرا بھی نہیں ہوتا۔ آپ کو کسی استاد کے دروازے پر انتظار کی زحمت بھی نہیں اٹھانا پڑتی جو آپ کی فیس کا منتظر رہتا ہے۔ اور ایسے شخص سے بھی نہیں سیکھنا پڑتا جو جانتا تو بہت کچھ ہے مگر اس کی عادات واطوار بڑے ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ کتاب رات کو بھی آپ کا حکم اسی طرح مانتی ہے جیسے دن کو، خواہ آپ سفر میں ہوں یا گھر میں بیٹھے ہوں۔ سفر کے دوران میں ہونے والی اکتاہٹ سے نجات کے لیے کتاب سے بڑھ کر کوئی چیز کار آمد نہیں ہوتی۔ کتاب ایک ایسے استاد کی مانند ہے کہ آپ کو جب بھی ضرورت پڑے، آپ اسے اپنے پاس پائیں گے۔ یہ ایسا "استاد" ہے کہ آپ خواہ اسے کچھ نہ دیں، یہ آپ کو دیتا رہے گا۔ اس کے پاس جتنا کچھ ہے، یہ سب کھول کر آپ کے سامنے رکھ دے گا۔ اگر آپ اس سے لاپروائی کریں تب بھی یہ آپ کی فرمانبرداری کرتا رہے گا۔ سب لوگ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائیں تو بھی یہ بدستور آپ کے دوش بدوش کھڑا رہے گا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کتاب سے دوستی

ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مہلب نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''اے میرے بیٹو! بازاروں میں بے مقصد نہ گھوما کرو۔ اگر جانا ہو تو صرف اسلحہ ساز کے پاس جانا یا کتب فروش کے پاس۔''

حسن لؤلؤی کہتے ہیں:

''چالیس برس ہو گئے ہیں میں نے کبھی قیلولہ کیا نہ ٹیک لگائی اور نہ سویا حتی کہ ہر آن کتاب میری چھاتی پر رہی۔''

ابن الجہم کہتے ہیں:

''جسمانی ضرورت کے تحت سونا تو ایک فطری بات ہے، مگر میں ضرورت پوری ہونے سے زائد لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں اونگھتا۔ اگر غنودگی طاری ہونے لگے تو میں دانش وحکمت سے بھری کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب اٹھا لیتا ہوں اور علم کے موتی چننے لگتا ہوں۔ دورانِ مطالعہ مجھ پر کبھی سستی یا کسلمندی طاری نہیں ہوتی۔ میرے انہماک کو صرف دو چیزیں منقطع کرتی ہیں: گدھے کا رینکنا اور کسی چیز کے ٹوٹنے سے پیدا ہونے والی آواز۔''

مزید فرماتے ہیں:

''اگر مجھے کوئی کتاب اچھی لگے اور میں اسے اپنے لیے فائدہ مند پاؤں تو مجھے آپ دیکھیں گے کہ میں ایک ایک گھنٹے کے بعد وہ صفحے گننے لگتا ہوں جو باقی رہ گئے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہوں۔ اور ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں یہ جلد ختم نہ ہو جائے۔ یہ میرے لیے بے حد خوشی کے لمحات ہوتے ہیں، ایسے لمحات کو کون ختم ہوتے پسند کرے گا؟"

پڑھنے کے فوائد

- پڑھنے سے غم اور بے چینی دور ہو جاتی ہے۔
- پڑھنے کے دوران میں انسان جھوٹ بولنے اور فریب کرنے سے بچا رہتا ہے۔
- پڑھنے کی عادت کی وجہ سے انسان کتاب میں اتنا منہمک رہتا ہے کہ سستی اور کاہلی سے مغلوب نہیں ہونے پاتا۔
- پڑھنے سے فصاحت و بلاغت کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔
- پڑھنے سے ذہن کھلتا ہے اور خیالات میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔
- پڑھنے سے علم میں اضافہ، یادداشت میں وسعت اور معاملہ فہمی میں تیزی آتی ہے۔
- پڑھنے والا دوسروں کے تجربات سے مستفید ہوتا ہے اور بلند پایہ مصنفین کا ذہنی طور پر ہمسفر بن جاتا ہے۔
- پڑھنے والا اوقات کے ضیاع سے محفوظ رہتا ہے۔
- پڑھنے والے کا ذخیرۂ الفاظ، دوسروں کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔
- پڑھتے رہنے سے لکھنا بھی آ جاتا ہے اور جو لوگ پہلے سے لکھنا جانتے ہیں ان کی تحریر میں مزید شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جاننے کا کرب

1950ء کی دہائی میں کسی سال کا ایک واقعہ ہے کہ ایک معروف ادیبہ جو پاکستان آنے سے قبل بھارت میں پائلٹ بھی رہ چکی تھی، لاہور سے لندن جا رہی تھی۔ رات کا سفر تھا۔ ڈھائی تین بجے کے قریب طیارے میں کوئی نقص پیدا ہو گیا۔ اس کی آواز خاصی بدل چکی تھی اور لرزش بھی نمایاں تھی۔ طیارے کا عملہ پریشان تھا۔ وہ ایک ایک کر کے پائلٹ کے کیبن کی طرف ایسی احتیاط سے جا رہے تھے کہ مسافروں پر گھبراہٹ طاری نہ ہو جائے۔

اس ادیبہ نے ایک سٹیوارڈ کو اشارے سے بلایا اور پائلٹ کے کیبن میں جانے کی اجازت مانگی اور اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ''شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔''

وہ تیزی سے اندر گیا اور وہیں اشارے سے اس کو بھی بلا لیا۔ کوئی آدھ پون گھنٹے کی فنی جانچ پڑتال سے وہ نقص دور ہو گیا اور طیارہ پھر نارمل رفتار سے پرواز کرنے لگا۔

اس خاتون کا کہنا ہے کہ جب وہ کیبن سے نکل کر اپنی نشست کی طرف آنے لگی تو اس نے مسافروں میں سے بعض کو خراٹے لیتے، بعض کو خوش گپیاں لڑاتے اور بعض کو رسالے پڑھتے ہوئے دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکی کہ ان کی بے فکری ان کے ''نہ جاننے'' کا نتیجہ تھی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اگر وہ جان لیتے کہ وہ موت کے کتنے قریب پہنچ چکے ہیں تو ان کی کیفیت کتنی مختلف ہوتی، یہ ہر کوئی جانتا ہے۔ گویا بعض چیزیں نہ جاننے ہی میں خیریت ہوتی ہے۔

شاید ایسا ہی کوئی علم ہوگا جس سے نبیٔ اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں پناہ مانگی تھی۔

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ»

''اے اللہ میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو۔''[1]

itsurdu.blogspot.com

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب في الأدعية، حديث: 2722

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اُمید کی کرن

مولانا شبلی رحمہ اللہ ایک دفعہ بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ جہاز میں کوئی غیر معمولی نقص پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ نچلی منزل کے مسافر اُوپر عرشے پر جمع ہو رہے تھے تاکہ اشارہ ہو تو سمندر میں کود جائیں۔ سب کو لائف بیلٹیں باندھی جا رہی تھیں۔ انگریز کپتان یہ دیکھنے کے لیے نچلی منزل میں گیا کہ کوئی مسافر رہ تو نہیں گیا۔ اس نے دیکھا کہ مولانا شبلی رحمہ اللہ اطمینان سے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس نے انھیں جلدی سے اٹھایا اور اوپر لے گیا اور بیلٹ بندھوائی۔ بہر حال خیریت گزری کہ جہاز کا عملہ اندر جمع شدہ پانی کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ سب کے چہروں سے گھبراہٹ کے آثار دور ہو گئے۔ کپتان نے مولانا سے پوچھا کہ جب سب بھاگ گئے تو آپ کیوں نہ اُٹھے؟ مولانا نے اس کا بڑا ایمان افروز جواب دیا۔ اُنھوں نے کہا: اُس وقت مجھے یہ حدیث یاد آ گئی تھی:

«إِنْ قَامَتْ عَلَى أَحَدِكُمُ الْقِيَامَةُ وَفِي يَدِهِ فَسِيلَةٌ فَلْيَغْرِسْهَا»

''اگر تم میں سے کسی ایک پر قیامت قائم ہو جائے اور اس کے ہاتھ میں کھجور کی قلم ہو تو وہ اسے گاڑ دے۔''[1]

---

[1] مسند أحمد: 3/183، 184

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لمحۂ فکریہ

ایک سال میں تقریباً 8760 گھنٹے ہوتے ہیں۔ اگر ہم روزانہ 8 گھنٹے سوتے ہوں تو ہم 2920 گھنٹے محوِ خواب و استراحت رہتے ہیں۔ اس طرح ہم 16 گھنٹے جاگتے ہیں، یعنی عالمِ شعور میں ہوتے ہیں۔ یہ سال میں 5840 گھنٹے بن جاتے ہیں۔ تو غور فرمایئے اور اپنی ذات کا محاسبہ کیجیے کہ ہم سال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور اس کے احکامات کی تکمیل میں کتنا وقت خرچ کرتے ہیں اور بے فکری میں کتنا وقت ضائع کر ڈالتے ہیں؟

مطالعۂ کتب

کتب بینی ایک نہایت مفید مشغلہ ہے، یہ علم میں اضافے اور پریشانیوں سے چھٹکارے کے لیے نہایت مؤثر نسخہ ہے۔ صدیوں پہلے کے ایک عرب مصنف الجاحظ نے ایک پریشان حال شخص کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا:

''کتاب ایک ایسا دوست ہے جو آپ کی خوشامدانہ تعریف نہیں کرتا اور نہ آپ کو برائی کے راستے پر ڈالتا ہے۔ یہ دوست آپ کو اکتاہٹ میں مبتلا نہیں ہونے دیتا۔ یہ ایک ایسا پڑوسی ہے جو آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہ ایک ایسا واقف کار

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

عمر کیسے ضائع ہوتی ہے؟

ایک بار چند طالبِ علم سیر کے لیے گئے اور کشتی رانی کا لطف اُٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔ سیر کے دوران میں کسی نہ کسی سے تو چھیڑ خانی کی جاتی ہے۔ ایک طالبِ علم نے ملاّح سے پوچھا:

''کیا تم نے کیمسٹری پڑھی ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''نہیں۔''

طالبِ علم نے کہا:

''تو تم نے اپنی زندگی کے دس سال ضائع کر دیے۔''

دوسرے نے اپنے مضمون کے حوالے سے یہ سوال پوچھا تو ملاّح کا پھر یہی جواب تھا۔ اس لڑکے نے بھی اس کی زندگی کے دس سال ضائع ہونے کا اعلان کیا۔ غرضیکہ سب نے یہ سوال کر کے اس کی زندگی کے پچاس ساٹھ سال ضائع ہونے کا فیصلہ سنا دیا۔

اتنے میں کشتی بھنور میں پھنس گئی اور اس کے الٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ ہر کوئی گھبرایا ہوا تھا۔ اب ملاّح نے پوچھا کہ آپ میں سے تیرنا کس کس کو آتا ہے؟ اتفاق سے ان میں سے کوئی بھی تیرنا نہیں جانتا تھا۔

اس پر ملاّح نے کہا: آپ سب نے تو اپنی پوری زندگی ضائع کر دی اور اس

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نے کشتی ڈوبنے سے پہلے ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔

اس واقعے سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں:

ایک یہ کہ تیراکی سیکھ لینی چاہیے، زندگی میں کبھی نہ کبھی کام آ ہی جاتی ہے۔ اگر آپ پانی سے ڈرتے رہے تو تیراکی کبھی نہ سیکھ سکیں گے۔ ضرورت کے تحت کسی ڈوبتے ہوئے انسان کو بچانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگانی پڑ سکتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے کوئی ہنر نہیں سیکھ سکا یا اس نے تعلیم حاصل نہیں کی تو اسے تمسخر کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔ کیا پتہ کہ اگر اس کے پاس آپ کے نزدیک کوئی علم نہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور شعبے میں مہارت رکھتا ہو جس کا آپ کو پتہ تک نہ ہو اور وہ انسانیت کے لیے بے حد مفید ہو۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

قدرِ عافیت

شدید گرمی کے موسم میں آدھ یا پونے گھنٹے کے لیے بجلی بند ہو جاتی ہے تو ہم بلبلا اٹھتے ہیں۔ واپڈا والوں کو کوستے ہیں اور جب زیادہ تنگ آ جائیں تو مقامی دفترِ شکایات پر ہلّہ بول دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ گرمی کے ستائے ہوئے لوگوں کو احتجاج کا حق حاصل ہے مگر اس کا غصہ ان غریب ملازموں پر کیوں اتارا جائے جو صرف شکایات لکھنے پر مامور ہیں، اسی سے ان کا گھر بار چلتا ہے۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ ہمارے ملک کے کئی حصوں میں سرے سے بجلی ہی نہیں اور لوگوں کو پینے کا پانی بھی دُور دُور سے گھڑوں میں لانا پڑتا ہے؟ اگر ہمیں بجلی اور پانی کے بغیر چند لمحے گزارنے پڑیں تو ہمیں اپنے ان بھائیوں کے حالات یاد کرنے چاہئیں جو ان سے بالکل ہی محروم ہیں۔

شیخ سعدی نے ایک بادشاہ اور اس کے عجمی غلام کا قصہ لکھا ہے کہ وہ بادشاہ دریائی سفر کر رہا تھا۔ اس کے غلام نے پہلے دریا نہیں دیکھا تھا اور نہ کشتی کا سفر کیا تھا۔ کشتی ڈگمگاتی اور موجوں کے ہچکولے کھاتی تو غلام بے تحاشا گریہ وزاری کرتا۔ اس پر سارے مسافر پریشان تھے۔ بادشاہ کی طبیعت بھی مکدّر ہو گئی۔ غلام کے شور مچانے کا سلسلہ بند ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

ایک حکیم بھی اس کشتی میں بیٹھا تھا۔ اس نے اس کی گھبراہٹ کی اصل وجہ معلوم کر لی۔ اس نے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر آپ حکم دیں تو میں اسے خاموش

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کردوں۔ بادشاہ نے کہا کہ نہایت مہربانی ہوگی۔

حکیم کے اشارے پر اس غلام کو دوسرے شاہی ملازموں نے دریا میں پھینک دیا۔ جب وہ چند غوطے کھا چکا تو اسے بالوں سے پکڑ کر کشتی کی طرف لایا گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کشتی کے پچھلے حصے کے ساتھ لٹک گیا۔ جب ایک گھڑی گزر گئی تو چپکے سے کشتی کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا۔

بادشاہ کو یہ تدبیر بہت پسند آئی۔ پوچھا کہ اس میں کیا حکمت تھی؟ حکیم نے کہا کہ اس نے ڈوبنے کی تکلیف نہیں اٹھائی تھی اور جب اس نے کشتی سے باہر اور اس کے اندر کا فرق دیکھا تو اسے یہ ہچکولے، ڈوبنے کی بہ نسبت بہتر نظر آئے۔ اب یہ کشتی کے آرام کو غنیمت سمجھنے لگا ہے۔ آرام و سلامتی کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جو ابتلا سے دوچار ہو چکا ہو۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کچھ کھونا بھی پڑتا ہے کچھ پانے سے پہلے

امریکہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ جو ملک جتنا زیادہ امیر ہوتا ہے وہ اتنا طاقتور بھی ہوتا ہے۔ اس کی صنعت، تجارت، اقتصادیات، سائنس اور اس کا معیارِ زندگی غرضیکہ ہر شعبے میں وہ ساری دنیا سے آگے ہوتا ہے۔ اس کے باوجود امریکہ میں اوسطاً ہر 45 منٹ بعد ایک شخص خودکشی کر لیتا ہے اور ہر 2 منٹ کے بعد ایک شخص پاگل ہو جاتا ہے۔ خودکشی اور پاگل پن میں گہرا تعلق ہے۔ یہ پاگل پن ہی تو ہے جو انھیں خودکشی کی راہ دکھاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے مسائل کو خود حل نہیں کر سکتا اور کسی دوسرے اہل آدمی سے مشورہ بھی نہیں لیتا تو ضرور پاگل ہو جاتا ہے۔ پاگل کا اگلا قدم اپنی زندگی کا چراغ خود گل کرنا ہوتا ہے۔ ممتاز ماہرِ نفسیات ڈاکٹر کارل یُون اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ گزشتہ تیس برسوں کے دوران میں دنیا کے سبھی مہذب ممالک کے ہزاروں افراد نے اس سے مشورے لیے ہیں اور اس نے بے شمار افراد کا کامیاب علاج کیا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہے کہ اس کے 35 سال سے زائد عمر کے مریضوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے مسائل کا حل مذہب میں نہ ہو۔ اس کا کہنا ہے کہ ''ان میں سے ہر ایک اس لیے بیمار پڑا ہے کہ اس نے وہ چیز کھو دی تھی جو ہر زمانے کے زندہ مذاہب نے اپنے پیروکاروں کو عطا کی اور ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک صحت یاب نہیں ہوا جب تک اس نے مذہب کو اپنی زندگی میں جاری و ساری نہ کر لیا۔''

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

یہی بات ایک دوسرے ماہرِ نفسیات ولیم جیمز نے کہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''قوتِ ایمانی ہر مسئلے کے حل میں مدد دیتی ہے۔ ذہنی پریشانیاں دور کرنے میں اس کا ایک خاص رول ہے۔ ایمان ان قوتوں میں سے ایک قوت ہے جن کے سہارے انسان زندہ رہتا ہے۔ اس کی مکمل عدم موجودگی، شکست اور انحطاط کے راستے کھول دیتی ہے۔''

ڈیل کارنیگی ایک کتب فروش کی نہایت رقت انگیز کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ شخص ایک کامیاب بزنس مین تھا، اس نے بڑے اچھے دن دیکھے تھے پھر اس پر ایسے دن آ گئے کہ اس کا کاروبار ٹھپ ہو گیا کیونکہ اس نے اُدھار پر کتابیں لے کر جن پارٹیوں کو فروخت کے لیے دی تھیں، ان سے بروقت وصولیاں نہ ہو سکیں۔ قرض خواہوں نے اسے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ ان سے بچتا ہوا، ان شہروں میں بھاگا بھاگا پھرتا رہا جہاں سے وصولیاں ہونا تھیں مگر کچھ نہ ملا، الٹا اسے ہوٹلوں کے بھاری بل بھی ادا کرنے پڑے۔ اس دوران میں وہ اپنی بیوی سے بھی فون پر رابطہ قائم کرنے سے گریز کرتا کہ کہیں وہ بھی بچوں کی فیس، مکان کے کرائے اور کچن کے اخراجات کا مطالبہ پیش نہ کر دے۔

آخر ایک دن اس نے مایوسی کے عالم میں ہوٹل کے شیلف میں پڑی ہوئی مذہبی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی تو جو ورق کھلا، اس میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے آداب لکھے تھے۔ مانگنے کا ایک سلیقہ یہ بتایا گیا تھا کہ ''تم اللہ سے توقعات رکھتے ہو تو وہ بھی تم سے کچھ توقعات رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم بدی کی باتیں چھوڑ دو، تم میں سے ہر کوئی فطری طور پر جانتا ہے کہ بدی کیا ہوتی ہے۔ تو یوں دعا کرو کہ اے اللہ! مجھے وہ کچھ دے، جو میں چاہتا ہوں، اور میں وہ کچھ چھوڑ دوں گا جو تو چاہتا ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں۔''

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ان الفاظ نے اس کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔ دل سے ایک آواز ابھری، بس یہ ہے وہ چیز جس کی مجھے طلب تھی اور یہ ہے وہ راستہ جس پر چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب یہاں رکھوائی اور اپنی قدرت سے یہ صفحہ نکلوا کر میرے سامنے کر دیا۔

چنانچہ اس نے دوزانو ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور دل میں وہ حرکتیں چھوڑ دینے کا تہیہ کر لیا جن سے اس کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دُعا کی قبولیت میں دیر نہ لگی۔ جب وہ اپنے مطلوبہ شخص سے ملنے گیا جس کے ذمہ اس کی بہت سی رقم تھی تو خلافِ توقع اس نے اس کا بہت جوش سے خیر مقدم کیا اور کافی رقم لوٹا دی اور باقی بھی جلد ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اسی طرح دیگر قابلِ وصول رقوم بھی تیزی سے ملنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے بگڑے ہوئے تمام مسائل درست ہو گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب بندہ گناہوں کو ترک کر دے اور خالص نیت سے اللہ تعالیٰ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں کا ارتکاب کرے، ان سے باز آئے نہ ان کے متعلق اللہ سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا، خواہ وہ کتنی گریہ وزاری سے دعا کرتا رہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''نبیٔ اکرم ﷺ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کر کے آیا ہو، اس کے بال پراگندہ ہوں اور وہ گرد و غبار سے اَٹا ہوا ہو، وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا، جس غذا سے اس کا جسم بنا وہ بھی حرام کی تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔''[1]

[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب وتربیتها، حدیث: 1015

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''مصروفیت'' ایک عظیم نعمت

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں ایک نعمت مصروفیت بھی ہے۔ اس کے نعمت ہونے کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب کوئی مصروفیت نہ ہو۔ فارغ رہنے، یعنی مصروف نہ ہونے کی اذیت وہی شخص جانتا ہے جسے اس سے واسطہ پڑا ہو۔

ایک استاد اپنے شاگرد کے بارے میں لکھتا ہے کہ میری ریٹائرمنٹ سے قبل کا میرا ایک شاگرد ایک دفعہ سرِ بازار مجھ سے ملا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بدقسمتی نے اس کے گھر میں ڈیرہ ڈال لیا ہے۔ پہلی بار اس کی پانچ سالہ بچی چل بسی۔ دوسری بار اسے اللہ تعالیٰ نے پھر ایک بچی عطا کی، چھ روز بعد وہ بھی فوت ہوگئی۔

اس دُہرے صدمے نے اس کی نیند اڑا دی۔ ساری رات کروٹیں بدلتے ہوئے گزرتی تھی۔ پھر بھوک بھی ختم ہوگئی اور اس کا سارا اعتماد بھک سے اُڑ گیا۔ آسے ڈاکٹروں کے پاس جانا پڑا۔ ایک نے نیند کی گولیوں کا مشورہ دیا جبکہ دوسرے نے سیر و تفریح کا مشورہ دیا۔ اس نے دونوں طریقے آزمائے مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا سارا جسم کسی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور اس کی گرفت روز بروز مضبوط تر ہو رہی ہے۔ اسے یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ پتہ نہیں یہ بیماری آگے چل کر کتنی شدت اختیار کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا ایک چار سالہ بیٹا ابھی حیات تھا۔ اس نے اس مسئلے کا حل پیش کر دیا۔ اس نے کہا:

''ابا جان! کیا آپ مجھے ایک کشتی بنا دیں گے۔'' اس کا کشتی بنانے بلکہ کچھ بھی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن بیٹے کے اصرار پر اسے یہ کام کرنا ہی پڑا۔

کشتی بنانے میں اسے کوئی تین گھنٹے لگے۔ جب یہ کام ختم ہوا تو اسے احساس ہوا کہ جو تین گھنٹے اس نے کشتی بنانے میں صرف کیے ہیں، وہ اس کے ذہنی سکون کے لیے بہت مفید رہے ہیں، اور کئی ماہ بعد اس کے ذہن کو یکسوئی نصیب ہوئی ہے۔ اس دوران میں اسے تھکاوٹ اور بیزاری سے ہٹ کر سوچنے کا موقع ملا رہا۔

اسے احساس ہوا کہ جب انسان کچھ سوچنے لگے اور منصوبہ بنانے میں مصروف رہے تو پریشانی اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، چنانچہ اس نے مصروف رہنے کی ایک ترکیب ڈھونڈ لی۔ اس رات اس نے گھر کا ہر کمرہ کھولا اور کرنے والے پروگراموں کی ایک فہرست بنا ڈالی۔ کئی چیزیں مرمت طلب چلی آ رہی تھیں جو کئی مہینوں سے خراب تھیں، چنانچہ اس نے دو ہفتے کے دوران میں 242 توجہ طلب چیزوں کی فہرست ترتیب دے دی۔

پچھلے دو سال کے دوران میں اس نے بیشتر فہرست مکمل کر لی اور اپنی زندگی میں عملی کام شامل کیے۔ ہفتے میں دو دفعہ وہ تعلیم بالغاں کی کلاسوں میں شامل ہوتا اور اب وہ سکول بورڈ کا سربراہ ہے۔ اس حیثیت سے اسے مختلف اجلاسوں میں شریک ہونا پڑتا ہے جبکہ وہ شہر کی سماجی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا ہے اور امدادی کاموں کے لیے رقم بھی اکٹھی کرتا ہے اور اب وہ اتنا مصروف رہتا ہے کہ پریشانی اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

''پریشانی کے لیے وقت نہیں ہے۔'' یہ جملہ جنگِ عظیم کے دوران میں برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل نے اس وقت کہا جب وہ جنگ کے عروج کے زمانے میں اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے مصروف رہتا تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اپنی بھاری ذمہ داریوں کے لیے پریشان رہتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ''میں اتنا مصروف ہوں کہ پریشان ہونے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔''

فرانس کے ماہرِ کیمیا پاسچر کا کہنا تھا کہ ''سکون تو صرف لائبریریوں اور لیبارٹریوں ہی میں پایا جاتا ہے۔'' اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ کام میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ پریشان ہونے کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ تحقیقی کام کرنے والوں پر اعصابی دباؤ پڑنے کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد عسکری ماہرینِ نفسیات نے لڑائی اور قید کے ہولناک تجربات کے پیشِ نظر فوجیوں کو ہر دم مصروف رکھنا تجویز کیا تاکہ وہ اعصابی مریض نہ بن جائیں، چنانچہ ان کا ہر جاگتا لمحہ عموماً آؤٹ ڈور مصروفیات، مچھلی کے شکار، فٹ بال، ہاکی، باغبانی اور تیراکی کی مشقوں وغیرہ میں صرف کرایا گیا۔ انھیں بیزاری اور ہولناک تجربات یاد کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا گیا۔ جب وہ سونے کے لیے بستر پر جاتے تو اتنے تھک چکے ہوتے کہ آنکھیں بند کرتے ہی نیند کی آغوش میں چلے جاتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ﴾

''بلاشبہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔'' (البلد 4:90)

یعنی انسان کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے بھرپور ہے۔ یہ دنیا انسان کے لیے مزے اڑانے اور فارغ رہنے کی جگہ نہیں۔ کوئی بھی باشعور انسان مشقت کے بغیر نہیں رہ سکتا، البتہ غفلت شعار یا پاگل و نیم پاگل لوگوں کی الگ بات ہے۔ مثلاً آپ ایک مسلمان کے ''فارغ اوقات'' کے حوالے سے سوچیے۔ ایسے اوقات جن میں اسے کمانے، پڑھنے پڑھانے، گھر کے لیے سودا سلف لانے اور بال بچوں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کی ذمہ داریوں سے کچھ فارغ وقت ملتا ہے یا ریٹائرمنٹ کے بعد کا زمانہ آجاتا ہے تو وہ نمازیں تو ضرور پڑھتا ہے (بشرطیکہ وہ بالکل ہی غیر ذمہ داری کی زندگی بسر نہ کرنا چاہتا ہو) پانچ وقت کی نمازیں اہتمام کے ساتھ مسجد جا کر باجماعت ادا کرتا ہے۔ نمازوں میں فرضوں کے ساتھ سنتیں اور نوافل بھی ہوتے ہیں۔ چاشت اوّابین اور تہجد بھی ہوتی ہیں۔ تلاوتِ قرآن بھی اس کے معمولات میں شامل ہوجاتی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے تحیّۃ المسجد کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ مساجد میں درسِ قرآن بھی ہوتا ہے۔ ہر عبادت کسی دوسری عبادت کی طرف اشارہ کردیتی ہے، یعنی اس کی ترغیب دیتی ہے تو ''فرصت'' جسے فارغ وقت کہا جاتا ہے کہاں پائی جاتی ہے؟ بعض لوگ تسبیح اور اوراد و وظائف کو بھی اپنے معمولات کا حصہ بنالیتے ہیں تو ایسے لوگوں کو ذہنی پریشانیوں میں مبتلا رہنے کا وقت کہاں ملتا ہے؟ شاعرِ مشرق کہتے ہیں ؎

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حُر کے لیے جہاں میں فراغ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ڈسپلن کیا ہے؟

سکول میں آپ نے اپنے اساتذہ کی زبانی ''ڈسپلن'' کا لفظ اکثر سنا ہوگا اور اس کے کچھ کچھ معنی بھی جانتے ہوں گے۔ آیئے! اس لفظ کے سلسلے میں چند باتیں ہم بھی کر لیں۔ ڈسپلن کا لفظ انگریزی کے لفظ ''Disciple'' سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی شاگرد، پیروکار یا چیلہ کے ہیں۔ جیسے اچھا شاگرد اپنے استاد کی ہر بات مانتا ہے۔ اچھا پیروکار، اپنے لیڈر یا رہنما کی باتیں توجہ سے سنتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ یا نیک دل مرید اپنے پیر کی باتیں خلوصِ دل سے سنتا ہے (یہاں ہماری مراد جعلساز پیر نہیں بلکہ خوفِ الٰہی سے سرشار اور کتاب وسنت کے پابند بزرگ ہیں) تو سکول کے زمانے میں جو طالب علم جتنا زیادہ ''Disciplined'' ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ فیض پاتا ہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے پر عملی زندگی میں آ کر بھی وہ ''ڈسپلن'' کے طور طریقوں کی پابندی کرتا ہے۔ اس لفظ کا جتنا اثر عملی کاموں پر پڑتا ہے، اتنا ہی سوچوں پر بھی پڑتا ہے کہ کیا ہم مقررہ ضابطوں کے مطابق سوچتے ہیں یا نہیں؟ ضابطہ بند سوچیں انسان کو منتشر خیالی سے بچاتی ہیں، یعنی بے ہنگم اور غیر ضروری سوچوں سے بچاتی ہیں۔

ڈیل کارنیگی ایک خاتون کی ڈسپلن کے تابع سوچوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ایک بار ایک خاتون نے مجھے بتایا کہ وہ ہرگز پریشان نہیں ہوتی۔ میں بڑا حیران ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کو کبھی پریشانی نے زچ نہیں کیا؟

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس نے کہا:

''آپ زچ ہونے کی بات کرتے ہیں، چند سال پہلے تو میں اتنی زچ ہوئی تھی کہ میری زندگی تباہی کے دہانے پر جا پہنچی تھی، پھر میں نے پریشانی کو قابو کرنے کا راز پالیا۔ میں نے گیارہ سال بے ضابطہ سوچوں کے خود ساختہ جہنم میں گزارے تھے۔ میں بہت تنک اور تیز مزاج ہوا کرتی تھی۔ مجھے ہر وقت ذہنی دباؤ کا احساس ہوتا تھا۔ دکانوں سے سودا خریدتے وقت عجیب عجیب پریشانیاں مجھے گھیرے رکھتی تھیں۔ کبھی خیال آتا کہ میں گھر میں کہیں استری کا سوئچ کھلا تو نہیں چھوڑ آئی۔ کہیں میرے گھر کو آگ تو نہیں لگ گئی۔ ملازمہ کہیں بچے کو لے کر فرار تو نہیں ہو گئی۔ بچے گھر سے نکل کر کار کے نیچے تو نہیں آ گئے۔ میں خریداری کو ادھوری چھوڑ کر بس پکڑتی اور گھر پہنچتی کہ آیا سب کچھ ٹھیک ہے یا نہیں؟ مجھے ٹھنڈے پسینے آئے ہوتے اور میری حالت قابلِ رحم ہوتی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میری شادی کا انجام المناک ہوا۔ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی۔

میرے دوسرے شوہر پیشۂ وکالت سے وابستہ ہیں وہ دھیمے مزاج کے اور تجزیہ کرنے والی شخصیت ہیں۔ انھوں نے بڑے ڈسپلن کی زندگی گزاری ہے، اس لیے وہ میرے خیالات کو بھی سنوارتے ہیں اور مجھے صبر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

ایک بار سفر کے دوران میں ہم شدید بارش میں پھنس گئے۔ سڑک بہت خراب تھی۔ مجھے دھڑکا سا لگ گیا کہ کہیں کار پھسل کر گہری کھائی میں نہ جا پڑے۔ میرے شوہر مسلسل یہ کہہ کر میرا حوصلہ بڑھاتے رہے کہ میں بہت آہستگی سے کار چلا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال رہا تو ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ نہ کرے کار کھائی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں بھی گر پڑی تو ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ان کی خوش امیدی اور اعتماد بھری باتوں نے مجھے بے حد سکون بخشا۔

چند سال قبل بچوں کو مفلوج کر دینے والی بیماری پھیل گئی۔ ان دنوں میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی کہ کہیں ہمارے بچے بھی اس وبائی بیماری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ میرے شوہر نے مجھے بار بار یقین دہانی کرائی کہ ہم سب احتیاطی تدابیر اختیار کر رہے ہیں۔ ہمارے بچے ہجوم سے دور رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ پورے شہر میں بہت ہی کم بچے اس وبا کی لپیٹ میں آئے ہیں، اس لیے ہمیں بے جا وہم اور پریشانی سے دوچار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بالکل محفوظ رہیں گے۔ ان جملوں سے جو ڈسپلن والے ذہن کی پیداوار تھے، میری پریشانی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس پُر امید سوچ کی بدولت میری زندگی گزشتہ بیس برسوں سے نہایت خوبصورتی اور سکون سے گزر رہی ہے۔

زیادہ پریشانیاں حقیقی کی بجائے تصوراتی ہوتی ہیں، یعنی سوچوں میں ڈسپلن نہ ہونے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ میں بچپن میں ڈسپلن سے عموماً لاپروا رہتی تھی۔ بار بار سکول بدلنے اور اساتذہ کے بکثرت تبادلوں کی وجہ سے بھی ہمارے اندر نظم و ضبط جڑیں نہیں پکڑ سکا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے اندر ٹھہراؤ پیدا نہ ہو سکا۔ آخر میری اصل کمزوری کو میرے دوسرے شوہر نے پہچانا اور مجھے سکون کی زندگی مل گئی۔"

پھلوں کے ایک معروف تاجر کا بچپن بھی تعلیم اور ڈسپلن سے محرومی کی حالت میں گزرا تھا۔ اگرچہ مال و دولت نے اس کا یہ عیب ڈھانپ دیا تھا لیکن اس کا اثر کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ جب اس کا کاروبار عروج پر پہنچا تو اسے یہ فکر ستانے لگی کہ کہیں اس کے پھل لانے والے ٹرک تباہ نہ ہو جائیں۔ جس پُل سے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس کے ٹرک گزرنے والے ہیں کہیں وہ ٹوٹ نہ جائے۔ اگر پھل بروقت نہ پہنچے تو کہیں ان کی مارکیٹ ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ آخر اس نے ایک بڑے ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ اس نے اس کے کئی ٹیسٹ لیے اور آخر میں کہا: تم بالکل صحیح ہو صرف تمھاری سوچیں بے ہنگم (ڈسپلن سے محروم) ہیں۔"

وہ کہتا ہے کہ ڈاکٹر کی بات سن کر میری سوچوں کا محور بدلنا شروع ہو گیا۔ میں نے سوچا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ بھی تو ایک چیز ہے۔ پتہ نہیں میں بچپن میں یہ کیوں نہیں سیکھ سکا۔ اساتذہ کتنی ہی کہانیاں باتوں باتوں میں سنا جاتے ہیں۔ یہ کتاب میں لکھی ہوئی باتوں کے علاوہ ہوتی ہیں۔

پھر میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ کتنی بار پل ٹوٹنے سے ٹرک تباہ ہوئے ہیں؟ پھل لانے والے ٹرک بھلا کتنی دفعہ حادثات کا شکار ہو چکے ہیں؟ اندر سے جواب آیا کہ 100 میں سے صرف 5 بار ایسا ہوا ہے۔ تب مجھے خیال آیا کہ جس چیز کے وقوع پذیر ہونے کے امکانات اتنے کم ہوں، اس کے متعلق پریشانی کیا معنی رکھتی ہے؟ اس پر میں نے اپنے آپ کو بہت ملامت کی۔ پھر میں کبھی اس نوعیت کی پریشانیوں کا شکار نہ ہوا۔ میں یہ سبق بچپن کی تعلیم کے دوران میں نہ سیکھ سکا لیکن بڑھاپے میں سیکھ لیا۔

ایک فوجی افسر ایک جنگ سے متعلق اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"جنگ زوروں پر تھی، مجھے اپنا مورچہ بالکل قبر کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ جب بھی میں آرام یا سونے کے لیے لیٹتا تو قبر کا تصور میرے سامنے آ موجود ہوتا۔ بمباری کے دوران میں، میں موت سے بے حد ڈرا ہوا تھا۔ میں کئی راتیں سو نہ سکا۔ ایک ہفتے عشرے میں میرے اعصابی مریض بننے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس صورت حال میں مجھے خیال آیا کہ پچھلے پانچ چھ روز میں میرا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ میں زندہ سلامت موجود ہوں۔ اسی طرح میرے دوسرے ساتھی بھی خیریت سے ہیں۔ صرف دو افراد زخمی ہوئے ہیں اور وہ بھی ہماری طیّارہ شکن توپوں کے ٹکڑوں سے زخمی ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا ان حالات میں مجھے اپنی پریشانی سے نجات پانے کے لیے کوئی تعمیراتی کام کرنا چاہیے، چنانچہ میں نے اپنے مورچے کے اوپر لکڑی کی چھت ڈالی تاکہ میں گولہ بارود کے ٹکڑوں سے محفوظ رہ سکوں۔ میں نے اتنے وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی اپنی یونٹ کے بارے میں سوچا تو خیال آیا کہ میری موت صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ میرے مورچے پر براہ راست حملہ ہو۔ لیکن اس کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہی تھے۔ اس سوچ سے میں پُرسکون ہو گیا اور بعد میں بمباری کے دوران میں بھی مزے کی نیند سویا۔"

امکانات کا جائزہ لینے کی صلاحیت بھی آخر ذہنی ڈسپلن ہی کا حصہ ہوتی ہے۔

ایک واقعہ امریکی بحریہ سے متعلق بھی ہے۔ ایک سابق ملازم نے بتایا کہ ایک بار مجھے اور میرے ساتھیوں کو تیل بردار جہاز لے جانے کے فرائض سونپے گئے۔ ہمیں خدشہ تھا کہ اس جہاز کو تارپیڈو لگ گیا تو یہ بری طرح شعلوں کی لپیٹ میں آجائے گا جس سے ہم بھی جل کر راکھ ہو جائیں گے۔

بحریہ کا ملازم کہتا ہے: دراصل ہم ایسے جہازوں کے اکثر نشانہ بن جانے کی خبریں سنتے آرہے تھے۔ بحری حکام کو ملاحوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے خدشات پہنچتے رہے، چنانچہ انھوں نے اعداد و شمار جاری کیے جن میں کہا گیا تھا کہ ہر 100 ٹینکروں میں سے صرف 40 کو تارپیڈو لگے اور 60 بالکل ٹھیک رہے۔ جو ٹینکر ڈوبے تھے وہ صرف پانچ تھے جو تقریباً دس منٹ کے عرصے میں ڈوبے۔ اس کا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مطلب یہ تھا کہ جہازوں کے ڈوبتے ڈوبتے بھی ان میں سے نکلا جا سکتا تھا۔ کئی نکل بھی گئے۔ ان اعداد و شمار سے ہمارے ڈگمگاتے ہوئے حوصلے ایک بار پھر بلند ہو گئے۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمیں خوامخواہ نہیں ڈرنا چاہیے۔

ان واقعات سے ہمیں تین سبق ملتے ہیں:

* ذہنی سوچ، یعنی ذہنی ڈسپلن جو بچپن میں اساتذہ یا ماں باپ کی روزمرہ کی نصیحتوں اور سبق آموز کہانیاں سننے سے جنم لیتا ہے، زندگی کے ہر مرحلے میں کام دیتا ہے۔ انسان بڑا ہو کر یہ باتیں اپنے تجربے سے بھی سیکھتا ہے۔ مگر بچپن کا سیکھا ہوا، اس سے زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔ اور جو بچے ایسی باتیں سیکھ کر بڑے ہوتے ہیں، وہ زندگی میں دوسروں سے زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔
* ہمیں خوامخواہ پریشان ہونے والی باتیں چھوڑ دینی چاہئیں تاکہ وہ ہماری راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔
* ہمیں ماضی کو کھنگالنا چاہیے اور اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ جس چیز کے متعلق ہم پریشان ہیں، اس کے رونما ہونے کے کتنے فیصد امکانات ہیں؟

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تقدیر سے سمجھوتہ

زندگی میں ہر کسی کو کبھی نہ کبھی ایسی صورت حال پیش آ جاتی ہے جسے وہ ہرگز نہیں چاہتا۔ اور جو عوامل اس کے وقوع کا سبب بنتے ہیں وہ کسی کے بس میں نہیں ہوتے، اس لیے ان کے ماحصل کو لازماً قبول کرنا پڑتا ہے۔ اسے ناگزیریت (Indispensability) کہا جاتا ہے اور اسے قبول کرنے کے عمل کو ''تن بہ تقدیر'' کہا جاتا ہے۔ اگر اس امر کو خوش دلی سے قبول کر لیا جائے تو اسے رجائیت (Optimism) کہا جاتا ہے۔

ڈیل کارنیگی بتاتا ہے کہ بچپن میں ایک مرتبہ اچھلنے کودنے کے دوران میں انگوٹھی کی وجہ سے اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی کٹ کر علیحدہ ہوگئی۔ بہتا خون دیکھ کر اسے بڑی پریشانی لاحق ہوئی مگر زخم مندمل ہونے کے بعد اسے ایک لمحے کے لیے بھی پریشانی نہیں ہوئی کیونکہ اس نے ''ناگزیر'' کو قبول کر لیا تھا۔ بعد میں بھی اسے کبھی بھول کر بھی اس خیال نے نہیں ستایا کہ انگوٹھے کے علاوہ اس کی صرف تین انگلیاں اس کے بائیں ہاتھ کی زینت ہیں۔

ایک دفعہ اس نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کا ایک ہاتھ کلائی سے غائب تھا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ کیا کبھی ہاتھ کے نہ ہونے سے اسے پریشانی لاحق ہوئی؟ تو اس کا جواب تھا: ''جی کبھی نہیں..... میں کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچتا، البتہ جب کبھی مجھے سوئی میں دھاگہ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس وقت

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خیال آ جاتا ہے۔''

مشہور فلاسفر ولیم جیمز کہتا ہے: ''ناگزیر کو قبول کرنے کے لیے ہر شخص کو ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ حوادث کے نتائج پر قابو پانے کے لیے یہ پہلا قدم ہوتا ہے۔''

بوتھ ٹارکنگٹن ایک بہت بڑا مصنف تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ''زندگی کی ہر بات برداشت کر سکتا ہوں، سوائے ایک چیز کے.....وہ ہے اندھا پن جو میں برداشت نہیں کر سکتا۔'' آخر اس کی اس آزمائش کا وقت بھی آ پہنچا۔ وہ اپنی عمر کے 60 کے عشرے میں پہنچا تو ایک روز فرش پر پھسل کر گر گیا۔ اٹھا تو اسے رنگ دھندلے دھندلے دکھائی دینے لگے۔ وہ ماہرِ امراضِ چشم کے پاس گیا اور اس سے اسے یہ تلخ حقیقت سننا پڑی کہ اس کی ایک آنکھ تقریباً بند ہو چکی ہے اور دوسری کی بینائی بھی تیزی سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ وہ ساری عمر جس بات سے ڈرتا رہا، آخر کار وہی کچھ ہو کر رہا۔

اس نے اس بدترین بحران کا بڑی پامردی سے سامنا کیا۔ اس نے نہ تو اسے زندگی کا خاتمہ سمجھا اور نہ ہی پریشانیوں کو قریب پھٹکنے دیا۔ اور اس حال میں بھی اپنی حسِ مزاح برقرار رکھی۔ ساری بینائی ختم ہو جانے پر وہ کہا کرتا تھا:

''میں نے اس نابینا پن کو بھی ایسے ہی محسوس اور برداشت کیا ہے جیسے دوسرے مسائل کو کیا کرتا تھا۔ اگر میری پانچوں حسیں ختم ہو جائیں، تب بھی میں اندرونی ذہنی سکون کے سہارے زندہ رہ سکتا ہوں۔''

بصارت کی بحالی کے لیے ٹارکنگٹن کو سال میں بارہ آپریشن کرانا پڑے۔ اسے معلوم تھا کہ اس مقصد کے لیے اسے ان مشکلات میں سے تو گزرنا ہی پڑے گا، چنانچہ اس نے باوقار طریقے سے ان حالات کا مقابلہ کیا۔ اس نے پرائیویٹ کمرے کی بجائے جنرل وارڈ میں جانے کو ترجیح دی تا کہ دوسرے مریضوں کے غم

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اور خوشی میں شریک ہو سکے۔

بار بار آپریشنوں سے بھی اس کی قوتِ برداشت ماند نہ ہوئی۔ وہ سوچتا کہ سائنس نے کتنی تیزی سے ترقی کی ہے کہ آنکھ جیسے نازک ترین عضو کا بھی کتنی مہارت سے آپریشن کیا جا رہا ہے۔

ایک عام شخص بارہ آپریشنوں اور بصارت ختم ہو جانے سے اعصابی مریض بن جاتا ہے لیکن ٹارکنگٹن کہا کرتا تھا کہ ''مجھے حالات کا جبر قبول کرنے کی صلاحیت ملی ہے۔ زندگی کسی بھی شخص پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا کرتی۔''

.....

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ جس زمانے میں جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھے، ان کی مشقوں میں گرم دوپہر کو ننگے پاؤں پتھروں پر چلنا بھی شامل تھا۔ ایک بار آپ جامع مسجد دہلی میں عین دوپہر کی تپتی دھوپ میں سرخ پتھروں کے فرش پر ٹہل رہے تھے۔ دوسرے کونے کی طرف سے کوئی واقف کار ملنے آ گیا تو آپ نے اسے اشارہ کر کے اپنے پاس بلا لیا۔ اس نے اپنا جوتا اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور فرش پر دو قدم ہی چل پایا تھا کہ تڑپ کر پیچھے بھاگ گیا اور بلند آواز میں کہا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾

''اللہ کسی کو اس کی برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔'' (البقرۃ 2:286)

شاہ صاحب نے اسی طرح دھوپ میں ٹہلتے ٹہلتے جواب دیا:

''میں یہی تو دیکھنا چاہتا ہوں کہ میری برداشت کی حد کتنی ہے۔''

.....

بات ہو رہی تھی ''ناگزیر'' کو قبول کرنے اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان میں قوتِ برداشت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جن انسانوں پر تکلیفیں آتی ہیں، انھیں ان میں سے گزرنا تو پڑتا ہے مگر ''جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے'' والی بات اور ہے۔ آزمائشوں سے نبرد آزما ہونے والے تاریخ میں انمٹ نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ خود بھی صبر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

سترھویں صدی عیسوی کا انگریز شاعر جان ملٹن نابینا تھا، اس کا ایک قول آج بھی لوگوں کے لیے مشعلِ راہ ہے: ''بصارت سے محرومی قابلِ رحم (Pitiable) حالت نہیں ہے بلکہ اسے برداشت نہ کرنا قابلِ رحم حالت ہے۔''

جنگوں میں لاکھوں فوجیوں کو ناگزیر صورت حال برداشت کرنا پڑتی ہے یا پھر دباؤ سے ٹوٹ پھوٹ جانا پڑتا ہے۔ ایک فوجی نے ایک مجلس میں بتایا: ''مجھے فوج میں شمولیت کے بعد تباہ کن مواد کا انچارج بنا دیا گیا۔ ہمیں یہ مواد ایک بحری جہاز میں لادنا تھا۔ یہ بے حد دھماکا خیز گولہ بارود تھا۔ پتہ نہیں کس حکمتِ عملی کے تحت مجھ جیسے نوآموز شخص کو یہ کام سونپ دیا گیا۔ پانچ مزید جوان بھی میرے ہمراہ تھے۔ اس کے خطرناک ترین ہونے کے لیے اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ اگر ذرا سی بھی بے احتیاطی ہو جاتی تو جہاز کا پرزہ پرزہ اُڑ جاتا۔ مجھے بار بار خیال آتا کہ جن تاروں کی مدد سے ہمارے لیے یہ کام محفوظ بنایا گیا ہے، ان میں سے کوئی ٹوٹ جائے تو پھر کیا ہوگا؟ میں یہ سوچتے ہی کانپنے لگتا۔ لیکن راہِ فرار بھی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں میری اور میرے والدین کی بھی توہین ہوتی۔ بھاگ جاتا تو میں بطورِ سزا گولی کا نشانہ بھی بن سکتا تھا۔ مجھے بھاگنے کی بجائے ٹھہرنا تھا۔ میں اپنے ماتحت جوانوں کو بے فکری سے اس مواد کو لے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے رگوں میں خون جما

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دینے والے خوف کے بعد مجھے تھوڑی سی توانائی کا احساس ہوا۔ میں نے سوچا:

"دیکھو! اگر میں اس طرح موت کا شکار ہوتا ہوں تو کینسر سے ہلاکت کی بہ نسبت تو یہ بہت آسان ہے، فوراً فیصلہ ہو جائے گا۔ احمق مت بنو، اپنی قوم کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہو گے۔ تمھیں یہ جاب کرنا ہے یا گولی کھانی ہے، اس لیے جواں مردی سے حالات کا سامنا کرو۔"

میں بہت دیر تک اپنے آپ سے باتیں کرتا رہا اور بہت سکون محسوس کرنے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو "ناگزیر" کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیا اور اپنے خوف اور ہراس پر قابو پا لیا۔ جب بھی مجھے کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں، میں کچھ نہیں کر سکتا تو میں اپنے آپ سے کہتا ہوں: "میاں! اسے بھول جاؤ اور اپنی وہ جہاز والی صورت حال یاد کرو اور حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہو۔"

سقراط کی موت نے دنیا کی تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اس نے اپنے اوپر لگے ہوئے الزامات کا سامنا کرتے ہوئے موت کو قبول کر لیا۔ جب اسے پینے کے لیے زہر کا پیالہ دیا گیا تو اس نے کہا: "میں موت کو بھی بہت سکون اور وقار سے قبول کر رہا ہوں۔

.....

"ناگزیر" کو خوش دلی سے قبول کرنے کی ایک مثال راقم الحروف نے خود اپنے بچپن میں دیکھی جسے نصف صدی گزر جانے کے باوجود میں بھلا نہیں سکا۔ میرے ایک تایا مولوی فضل الٰہی مانسہرہ سے ایک میل کے فاصلے پر موضع ڈھانگری میں رہتے تھے۔ ہمارے گھر سے کوئی سو گز دور ان کا گھر تھا۔ سردیوں کی ایک یخ بستہ رات تھی۔ ان کے مویشیوں کے لیے چارے کے طور پر جمع کردہ "ٹانڈوں" (مکئی سے بھٹے ہٹا کر خشک کیے ہوئے پودوں) کے انبار تھے جنھیں مقامی بولی میں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''گھاڑے'' کہا جاتا تھا۔ کوئی نصف شب کے بعد کسی شر پسند نے ان گھاڑوں کو آگ لگادی۔ چونکہ ابھی مانسہرہ میں بجلی نہیں آئی تھی، چاند نہ ہوتو تاروں کی ''روشنی'' ہی میں گزارہ کرنا پڑتا تھا۔ اندھیری شب میں جلتے ہوئے ''گھاڑوں'' کے اونچے اونچے شعلوں نے گھروں میں دبکے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ سارے لوگ ایک دوسرے کو بلاتے ہوئے کھلیان کے قریب جمع ہورہے تھے اور شعلوں کو بجھانے کی کوشش کررہے تھے۔ کوئی ڈنڈے مار کر ٹانڈوں کی ''پٹائی'' کررہا تھا اور کوئی پانی لانے کے لیے بھاگ دوڑ کررہا تھا۔ تایا فضل الٰہی نے صورت حال کو بھانپتے ہوئے سب سے کہا: ''یہ آگ بجھنے والی نہیں، چلو چھوڑو، بیٹھ جاؤ..... آؤ آگ تاپیں۔'' ان کا حوصلہ دیکھ کر سب ان کے گرد بیٹھ گئے۔ شدید سردی میں آگ سے بڑی نعمت کیا ہوسکتی تھی۔ دوسری طرف یہ ان کے مویشیوں کے لیے چھ ماہ کا راشن تھا جو ان کی آنکھوں کے سامنے راکھ میں تبدیل ہورہا تھا۔ ان کی پیشانی پر کوئی بل نہ آیا۔ انھوں نے اسی خندہ روئی سے کہا:

''میں اس نقصان کی وجہ سے ایک اس سے بھی بڑے نقصان سے بچ گیا ہوں۔ مجھے یہ زَک پہنچانے والوں نے دراصل مجھے ایسے لوگوں کے خلاف اکسانے کی کوشش کی ہے جو میرے مخالف تو ہیں مگر وہ ایسی نیچ حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔''

ان کا اشارہ راقم الحروف کے خاندان کی طرف تھا۔ ان سے ہماری کچھ رنجش چل رہی تھی اور ان کے جس چارے کے ذخیرہ کو نقصان پہنچایا گیا تھا، وہ بھی ہمارے گھر کے قریب تر تھا۔ اس طرح انھوں نے ایک ''ناگزیر'' کو نہ صرف حوصلے سے قبول کیا بلکہ اسے ''بدلے'' کا ذریعہ بنانے سے گریز کرکے بھی فراست کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، بے حد زیرک انسان تھے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

احساسِ کمتری سے نجات

امریکی ایوانِ بالا کا ایک سابق رکن ایمر تھامس شدید احساسِ کمتری میں مبتلا تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں اسے کئی پریشانیوں، وسوسوں اور خدشات نے گھیر لیا۔ اس کا قد 6 فٹ دو انچ تھا جو اس کی عمر کے لحاظ سے بہت لمبا تھا اور ساتھ ساتھ وہ بہت دبلا پتلا بھی تھا، جبکہ وزن صرف 118 پاؤنڈ تھا۔ وہ اپنے لمبے قد کے باوجود بڑا کمزور تھا۔ کھیلوں میں وہ دوسرے لڑکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، اس لیے ان کے مذاق کا نشانہ بنتا اور لڑکے اسے طرح طرح کے ناموں سے پکارا کرتے۔ احساسِ کمتری کی وجہ سے وہ اتنا پریشان اور حساس ہو گیا کہ میل ملاقات سے گھبراتا۔ ان کے مویشیوں کا باڑہ، یعنی فارم ہاؤس موٹروے سے دُور تھا اور گھنے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کے سوا کسی دوسرے فرد سے شاذ و نادر ہی مل سکتا تھا۔

اگر وہ ان پریشانیوں سے چھٹکارا نہ پا سکتا تو یقیناً زندگی میں ناکامیوں ہی سے دوچار رہتا۔ اس کی والدہ اس کے احساسات سے بخوبی واقف تھی کیونکہ وہ ایک سکول ٹیچر تھی۔ وہ اسے اکثر کہا کرتی تھی: ”بیٹے ہمّت نہ ہارو، تمھیں ضرور تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ تمھیں دماغ کی مدد سے روزی کمانے کی کوشش کرنا ہوگی کیونکہ تمھارا جسم تمھارے آگے بڑھنے میں ہمیشہ رکاوٹ بنا رہے گا۔“

اس کے والدین اس قابل نہیں تھے کہ اس کے کالج کے اخراجات اٹھا سکتے، چنانچہ اس نے اپنا راستہ خود ہی بنایا۔ اس نے موسمِ سرما میں کچھ جنگلی جانور پکڑے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اور ان کی کھالیں اتار کر چار ڈالر میں بیچ دیں۔ پھر انھی چار ڈالروں سے دو چھوٹی چھوٹی بکریاں خرید لیں اور اگلے سال انھیں چالیس ڈالر میں فروخت کر دیا۔ اس رقم سے اس نے ایک کالج میں داخلہ لے لیا اور جملہ ابتدائی اخراجات اسی میں سے پورے کیے۔ سکول سے واپسی پر وہ تھوڑی دیر پڑھے ہوئے اسباق دہراتا اور کچھ پھل خرید کر فروخت کر دیتا۔ اس سے اس کے تعلیمی اخراجات اور جیب خرچ نکل آتے۔

وہ اپنی والدہ کی بنائی ہوئی براؤن شرٹ پہنا کرتا، پھر والد کے کپڑے پہننا شروع کر دیے جو اسے کبھی پورے نہیں آتے تھے اور ہمیشہ پریشانی کا باعث بنے رہتے۔ اس کے جوتے بھی چلتے ہوئے پاؤں سے پھسل پھسل جاتے تھے۔ وہ دوسرے ساتھیوں سے ملنے جلنے سے حد درجہ کتراتا تھا۔ اس سے اسے یہ فائدہ پہنچا کہ اسے کمرے میں تنہا رہ کر مطالعے کے لیے زیادہ وقت مل جاتا۔

اس کی زندگی کی ان دنوں سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ بڑی بڑی دکانوں سے مناسب کپڑے اور جوتے خرید لے تاکہ اسے روز روز ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ شوکیسوں میں سجے بوٹ اور دیدہ زیب کپڑوں کے تھان دیکھ کر اس کی طبیعت بہت للچاتی اور وہ دل ہی دل میں کہا کرتا: ''اے اللہ! تو نے مجھے اتنے غریب گھرانے میں کیوں پیدا کیا؟'' تاہم کچھ عرصے کے بعد چار ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے اسے احساسِ کمتری پر قابو پانے میں بڑی مدد دی۔ ایک واقعے سے اس کا خاص طور پر حوصلہ بڑھا اور خود اعتمادی پیدا ہوئی جس سے اس کی باقی ساری زندگی کلی طور پر بدل کر رہ گئی۔ ان واقعات کی ترتیب یہ تھی:

* نارمل سکول میں صرف آٹھ ہفتے کی تربیت کے بعد اس کا امتحان ہوا جس کے بعد اسے مقامی دیہی سکول میں پڑھانے کا ایک سرٹیفکیٹ ملا۔ اگرچہ یہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سرٹیفکیٹ صرف چھ ماہ تک کارآمد تھا لیکن یہ اس کی ذات پر کسی اور کے اعتماد کا ایک واضح ثبوت تھا کہ بالآخر اسے بھی کسی قابل سمجھا گیا۔ والدہ تو پہلے بھی اس کی ذات پر اعتماد کرتی تھی اور یہ سرٹیفکیٹ اس کے علاوہ کسی کے اعتماد کا مظہر تھا۔

* ایک مقامی سکول میں اسے چالیس ڈالر ماہانہ تنخواہ پر ٹیچر رکھ لیا گیا اور یہ اس کی ذات پر اعتماد کا ایک اور اہم ثبوت تھا۔
* پہلی تنخواہ پر اس نے سٹور سے چند لباس خریدے۔ یہ ایسے لباس تھے جنھیں پہن کر اسے اتنی خوشی ہوئی کہ اس وقت کسی اور ذریعے سے اسے سینکڑوں ڈالر بھی مل جاتے تو اس سے زیادہ خوشی نہ ہوتی۔
* اصل واقعہ جس نے اس کی زندگی کا رخ موڑ کر رکھ دیا اور جس سے اسے اپنے اندر احساسِ ندامت اور احساسِ کمتری پر قابو پانے میں مدد ملی، یہ تھا کہ اس کی والدہ نے اسے ایک میلے (فن فیئر) میں ہونے والے تقریری مقابلے میں شرکت کرنے کی ترغیب دی، آخر اُستانی تھی نا!

پہلے وہ گھبرایا اور ڈرنے لگا کہ ''مجھ میں ایک عام شخص کا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں، کجا کہ میں اتنے بڑے عوامی مجمع سے خطاب کروں'' لیکن اس کی والدہ کا اس پر فولادی یقین تھا۔ وہ اس کے سُہانے مستقبل کے بڑے خوبصورت خواب دیکھا کرتی تھی، اس کی ساری زندگی کی امیدوں کا مرکز یہ اکلوتا بیٹا تھا۔ اس نے اپنی تقریر کے لیے جس موضوع کا انتخاب کیا، اس کے بارے میں اس کی معلومات غالباً نہ ہونے کے برابر تھیں۔ موضوع یہ تھا: ''امریکہ کے آزاد فنونِ لطیفہ''۔ وہ کہتا ہے:

مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ تقریر کی تیاری شروع کرتے وقت مجھے یہ تک

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پتہ نہ تھا کہ ''آزاد فنونِ لطیفہ'' کیا ہوتے ہیں لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا، میرے سامعین بھی تو اس سے نابلد تھے۔ اس نے ماں کی مدد سے اپنی نہایت فصیح و بلیغ تقریر ذہن نشین کر لی اور درختوں اور مویشیوں کے سامنے سینکڑوں بار اس کی مشق کی۔

یہ والدہ کی دعائیں اور نیک تمنائیں اور اس کے اندر اسے خوش کرنے کا جذبہ تھا جو رنگ لایا۔ اس نے سامعین کے سامنے نہایت جذباتی تقریر کر ڈالی جس پر اسے فرسٹ پرائز ملا۔ مجمع سے داد و تحسین کی آواز بلند ہوئی اور وہ لڑکے جو اس کا تمسخر اڑاتے اور اس کے طرح طرح کے نام رکھتے تھے، آ آ کر اسے تھپکیاں دے رہے تھے۔ والدہ نے تو جوشِ جذبات سے اسے گلے لگا لیا اور خوشی کے آنسو بہانے لگی۔ پہلے مایوسی کی وجہ سے وہ اس سے چھپ چھپ کر غم کے آنسو بہاتی رہی ہوگی۔ آج اس کے لیے امیدوں کا روشن سورج طلوع ہوا تھا۔

انعامی تقریری مقابلے کی جیت نے اس کی زندگی کا رُخ تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ مقامی اخباروں نے صفحہ اوّل پر اس کی کامیابی کی سرخیاں لگائیں اور اس سے متعلق اچھے ریمارکس بھی دیے۔ ایک اخبار نے اس کے شاندار مستقبل کی پیشگوئی بھی کر دی۔ اس طرح وہ مقامی سطح پر بہت نمایاں ہو گیا۔ لیکن اس کے نزدیک اہم ترین بات اس کے اندر خود اعتمادی میں سینکڑوں گنا اضافہ تھا۔ اب اسے احساس ہوا کہ اگر وہ یہ مقابلہ نہ جیتتا تو کبھی امریکی سینٹ کا ممبر نہیں بن سکتا تھا کیونکہ اس جیت سے اس کے نظریات کو وسعت ملی، اس کے خیالات میں بہتری پیدا ہوئی اور اسے اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا احساس ہوا۔

اس مقابلے کی اہم ترین بات یہ تھی کہ پہلے انعام یافتہ فرد کو نارمل کالج میں ایک سال کی تعلیم کے لیے وظیفہ ملتا تھا۔ وظیفے کی وجہ سے اس میں اعلیٰ تعلیم کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خواہش پیدا ہوئی۔ اگلے کچھ برسوں میں اس نے اپنے وقت کو مطالعے اور تعلیم وتدریس میں تقسیم کر دیا۔ یونیورسٹی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اس نے کئی چھوٹے موٹے کام کیے۔ مالی کا کام کیا، کھیتوں میں ہل چلایا اور فصل کاٹی اور سڑکوں پر روڑا بجری بھی کوٹے۔

1896ء میں انیس سال کی عمر میں وہ اٹھائیس تقریریں کر چکا تھا جن میں اس نے صدر بننے کے لیے ولیم جینگز کو ووٹ دینے کے لیے لوگوں پر زور دیا تھا۔ اس سے اسے خود سیاست میں حصہ لینے کی تحریک ملی، چنانچہ اس نے یونیورسٹی میں قانون اور عوامی خطابت کے مضامین کا انتخاب کیا۔ یونیورسٹی سے ڈگری لینے کے بعد اس نے نئی ریاست اوکلا ہاما میں رہائش اختیار کر لی اور وکالت کا آغاز کر دیا۔ وہ تیرہ سال تک اوکلا ہاما ریاست کی سینٹ کا رکن رہا اور چار برس تک کانگریس کے ایوانِ زیریں کا رکن رہا جبکہ پچاس سال کی عمر میں اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوگئی اور اسے اس ریاست سے امریکی سینٹ کا رکن چُن لیا گیا۔

اس کا کہنا ہے کہ اس نے یہ واقعات اس لیے نہیں بتائے کہ اپنی شاندار کامیابیوں کی تشہیر کرے، ایسی تشہیر سے کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس نے یہ باتیں اس خیال سے بتائی ہیں کہ پریشانیوں اور احساسِ کمتری میں مبتلا ایک غریب لڑکے کی داستانِ عزم وحوصلہ پڑھ کر ایسے حالات سے دوچار دوسرے نوجوانوں کے بھی حوصلے بلند ہو سکیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایسا لڑکا تھا جو اپنے والد کے پرانے کپڑے پہنا کرتا تھا اور اس کے ایسے جوتے پہنتا تھا جو چلتے چلتے میرے پاؤں سے نکل جاتے تھے۔ جوانی میں، میں بھدے کپڑے پہنتے ہوئے ندامت محسوس کرتا تھا اور بعد میں امریکی سینٹ کا خوش پوش ترین رکن قرار پا گیا تھا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خودداری اور عزیمت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے نبی ﷺ کے پاس آ کر (کسی چیز کا) سوال کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

«أَمَا فِي بَيْتِكَ شَيْءٌ؟»

''تمھارے گھر میں کوئی چیز ہے؟''

وہ کہنے لگا:

«بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ وَ قَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ»

''کیوں نہیں! ایک کملی سی ہے، اس کا ایک حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔''

نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِنِي بِهِمَا»

''یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔''

وہ لے آیا تو نبی ﷺ نے انھیں ہاتھ میں لے کر فرمایا:

«مَنْ يَشْتَرِي هٰذَيْنِ؟»

''کون ان دونوں چیزوں کو خریدتا ہے؟''

ایک آدمی نے کہا: «أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ»

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''میں ایک درہم میں ان دونوں کو خریدتا ہوں۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ يَزِيدُ عَلٰى دِرْهَمٍ؟»

''ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟''

نبی کریم ﷺ نے یہ بات دو تین بار دہرائی تو ایک آدمی کہنے لگا:

«أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ»

''میں انھیں دو درہم میں خریدتا ہوں۔''

نبی ﷺ نے دو درہم لے کر وہ چیزیں اس آدمی کو دے دیں۔ اب نبی ﷺ نے اس انصاری کو ایک درہم دے کر فرمایا:

«اِشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ إِلٰى أَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُّومًا فَأْتِنِي بِهِ»

''ایک درہم کا گھر والوں کے لیے کھانا خرید لو اور دوسرے کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لاؤ۔''

جب وہ کلہاڑا لے آیا تو نبی ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں لکڑی ٹھونک دی۔ اور اس سے فرمایا:

«اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا»

''جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور پندرہ دن تک میں تمھیں نہ دیکھوں۔''

پندرہ دن میں اس شخص نے دس درہم کمائے۔ چند درہموں کا کپڑا خریدا اور چند کا کھانا اور آسودہ حال ہو کر پندرہ دن بعد نبیِ اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا:

«هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

"یہ تیرے لیے اس چیز سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن سوال کرنے کی وجہ سے تیرے چہرے پر بُرا نشان ہو۔"①

اب دیکھیے جس شخص کے گھر کا کل اثاثہ ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہو، وہ ایسا محتاج ہوتا ہے جسے سوال کرنا جائز ہے لیکن چونکہ وہ قوی تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے کچھ دینے کے بجائے دوسری راہ تجویز فرمائی۔ ایک تو اس سے یہ خیر خواہی فرمائی کہ خود بولی کے ذریعے سے اس کی اشیا کی زیادہ سے زیادہ قیمت دلوائی، پھر اسے عزتِ نفس کا سبق دے کر کسبِ حلال اور محنت کی عظمت واہمیت بتائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چند دنوں میں خوشحال ہو گیا۔

اگر نبی ﷺ اسے حاضرینِ مجلس سے ویسے ہی کچھ خیرات دلوا دیتے تو وہ اسی طرح بھیک ہی مانگتا رہ جاتا۔ مگر آپ نے اسے محنت کو وسیلہ بنانے کا راستہ دکھا دیا۔ دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے انسانوں کو دی ہوئی جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی تلقین کی ہے اور مانگنے کے بجائے دینے کی ترغیب دی ہے۔

نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، فَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ»

"اوپر والا ہاتھ، نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔"②

مطلب یہ کہ دینے والے بنو، مانگنے والے نہ بنو۔ سوال کرنا اور مانگنا بڑی بُری چیز ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ»

''آدمی لوگوں سے ہمیشہ سوال کرتا رہتا ہے (سوال کرنے کا عادی ہو جاتا ہے) یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن آئے گا اور اس کے چہرے پر گوشت کا کوئی ٹکڑا نہ ہوگا۔''[3]

ایک موقع پر نبیٔ اکرم ﷺ نے گداگری کی حوصلہ شکنی اور کام کاج کی ترغیب دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلًا فَيَسْأَلَهُ، أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کوئی اپنی رسی اٹھائے اور لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے (اس طرح روزی کمائے) تو یہ بات اس سے بہتر ہے کہ وہ جا کر کسی سے سوال کرے اور وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔''[4]

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَمَنْ يَتَقَبَّلُ لِي بِوَاحِدَةٍ أَتَقَبَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: أَنَا، قَالَ: لَا تَسْأَلِ النَّاسَ شَيْئًا»

''جو شخص مجھے ایک چیز کی ضمانت دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں؟ میں نے کہا: میں (اس کی ضمانت دیتا ہوں)، تو آپ نے فرمایا: لوگوں سے کبھی کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔''

راوی کہتے ہیں: اس کے بعد سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل تھا کہ وہ سواری پر سوار ہوتے اور ان کا کوڑا گر جاتا تو کسی سے نہیں کہتے تھے کہ مجھے یہ پکڑاؤ بلکہ خود سواری سے نیچے اترتے اور اُسے پکڑتے۔[5]

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اکثر لوگ حالات کی درشتی اور سنگینی کو دلیل بنا کر ''ہاتھ پھیلانے'' کا جواز ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کمر توڑ مہنگائی کے دور میں گزر اوقات خاصی مشکل ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان گداگری کو اپنا لے بلکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد اور بھروسے کا اظہار کرے اور ہاتھ پھیلانے سے ہر ممکن پرہیز کرے تو خالقِ ارض وسماء ضرور اسے بے پروا کر دے گا جیسا کہ رحمت للعالمین ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ»

''جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بچا لیتا ہے۔ جو بے نیازی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے (لوگوں سے) بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے اور کسی شخص کو ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔''[6]

ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کے بہت نقصانات ہیں۔ اس سے آدمی کی خودداری بہت بُری طرح مجروح ہوتی ہے۔ اگر اس کی حفاظت کرنی ہے تو پھر اپنی احتیاج صرف اپنے خالق پر ظاہر کی جائے جس کا ارشاد ہے:

﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

''میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے، پس چاہیے کہ وہ بھی میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔'' (البقرہ 186:2)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

یہ توحید کا بڑا واضح نکتہ ہے۔ جنھیں یہ سمجھ نہ آئے، وہ سدا اس سے محروم ہی رہتے ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روِش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے

.....

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا حالتِ غربت و مفلسی کے باوجود خودداری کی راہ و رسم نبھائے چلے جانا، ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اسلاف کے پیٹ پر پتھر باندھنے اور پھر بھوک کی شدّت کی وجہ سے بے ہوش ہو جانے کے سینکڑوں صفحات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ان میں خودداری کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال اپنی کتاب بانگِ درا میں "خطاب بہ جوانانِ اسلام" کے زیرِعنوان لکھتے ہیں ؎

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

یعنی ان کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر ایک دولت مند شخص ان کی ہتھیلی پر کچھ رکھنے کے بارے میں سوچتے ہی دل میں ڈر جاتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص اسے اپنی خودداری پر چوٹ سمجھ کر میرے لیے کوئی مصیبت کھڑی کر دے۔

کاش! ہم اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے رہتے اور انفرادی اور اجتماعی گداگری سے اجتناب کر کے پھر ستاروں پر کمند ڈال سکتے۔

.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تاہم چار سُو پھیلے ہوئے اندھیروں میں روشنی کے کچھ ٹمٹماتے چراغ اب بھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ ممتاز دینی مفکّر و محقق ڈاکٹر حمید اللہ طویل عرصہ فرانس میں رہ کر اپنا علمی کام کرتے رہے۔ (دو ڈھائی سال قبل ہی ان کا انتقال ہوا ہے)۔ ایک نہایت ہی معتبر شخص نے ان کے ساتھ بیتنے والا یہ واقعہ سنایا:

"ایک بار وہ بنک سے کچھ رقم نکلوانے کے لیے گئے تو ان پر منکشف ہوا کہ کسی جعلساز نے ان کے اکاؤنٹ سے ساری رقم نکلوالی ہے۔ وہ بے حد پریشان ہوئے۔ وہ جعلی دستخط اتنی چابکدستی سے کیے گئے تھے کہ ان کے لیے ان سے انکار ممکن نہ تھا۔ خالی ہاتھ واپس آ گئے اور کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا۔ کئی دن فاقے سے رہے۔ آخر ایک دن نقاہت کی وجہ سے گر کر بے ہوش ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے انھیں لانے والوں سے کہا کہ یہ صورتحال ان کا پیٹ بالکل خالی ہونے کا نتیجہ ہے۔ ڈرپ وغیرہ لگائی گئی اور ہوش میں آئے تو بات کھلی کہ ساری کمائی لٹ جانے کے بعد کسی کے سامنے نہ دستِ سوال دراز کیا اور نہ قرضہ لیا۔ فاقہ کشی کی نوبت آ چکی تھی جبکہ واقعے کا انکشاف بے ہوشی کے باعث ہوا۔"

.....

میں نے زمانۂ طالب علمی میں تبلیغی جماعت کے ساتھ تھوڑا سا سفر کیا تھا۔ اور کچھ عرصہ اپنے آبائی شہر مانسہرہ میں وقت لگانے کے بعد رائیونڈ میں بیس دن کے لیے آیا۔ ان دنوں طریقہ یہ تھا (معلوم نہیں آج کل کیا ہے) کہ ہر آدمی جماعتوں کی تشکیل کے موقع پر اپنا پروگرام بتا دیتا کہ وہ کتنے دن لگانا چاہتا ہے اور اس کے پاس پیسے کتنے ہیں تو جماعت والے اس کے وسائل اور دنوں کے حساب سے اتنے ہی فاصلے پر اسکے دن لگوا دیتے تھے۔ زیادہ پیسوں والوں کو دور کے شہروں میں اور کم پیسے والوں کو رائیونڈ کے گردونواح میں پیدل سفر کا پروگرام دے کر بھیج دیا جاتا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھا۔ ہماری مختصر سی جماعت میں نارووال کا ایک نوجوان تھا۔ مجھے اپنے فہم کے مطابق اس کے اندر خاصا خشوع وخضوع نظر آتا تھا۔ وہ تہجد پڑھنے کا خاص خیال رکھتا تھا۔ کوئی دوسرا جاگے یا نہ جاگے وہ ضرور جاگ جاتا تھا۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ دیگر ارکانِ جماعت کے ساتھ کھانا کھانے میں بعض اوقات وہ ناغہ کر دیتا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے ناغے بڑھ گئے۔ کچھ کمزور بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے ناغوں کی وجہ پوچھی جاتی تو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ٹال جاتا۔ ایک روز ہم دونوں مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے اجتماعی کھانے میں کم شریک ہونے اور آخری طویل ناغے کی وجہ پوچھی اور بتانے پر بے حد اصرار کیا تو وہ مجھے ٹال نہ سکا اور کہا کہ کل (آخری دن) بتادوں گا۔ تبلیغ کے آخری دن جماعتوں کا رائیونڈ مرکز میں واپس آنا ضروری ہوتا ہے، چنانچہ وہاں سے واپس گھر جاتے ہوئے اس نے مجھے بتایا کہ ''میرے پاس گھر تک کرائے کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا اور میں کسی طرح اپنا مقررہ وقت پورا کرنا چاہتا تھا لہٰذا بلا ادائیگی اجتماعی کھانے میں شرکت سے گریز کر رہا تھا۔''

اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے اقبال کا یہ شعر یاد دلاتا ہوں ؎

اے میرے فقرِ غیور بتا ترا فیصلہ ہے کیا
خلعتِ انگریز یا پیرہنِ چاک چاک

---

① سنن أبي داود، الزكاة، باب ماتجوز فيه المسألة، حديث:1641
② صحيح البخاري،الزكاة، باب لاصدقة إلاعن ظهر غني ،حديث:1429
③ صحيح مسلم، الزكاة، باب كراهة المسألة للناس، حديث:1040
④ صحيح البخاري، الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، حديث:1470
⑤ سنن ابن ماجه، الزكاة ،باب كراهية المسألة، حديث:1837
⑥ صحيح البخاري، الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، حديث:1469

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سلیقۂ گفتگو کے اثرات

لقمان حکیم سے ایک بار ان کے ایک شاگرد نے کہا: ''عموماً دیکھا گیا ہے کہ ہر ایک شخص کے اگر چار دوست ہوں تو اس کے دو مخالف بھی ہوتے ہیں مگر آپ کا ایک شخص بھی مخالف نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟''

لقمان حکیم نے کہا: ''میں کبھی کسی کے خیال کی تردید نہیں کرتا، اس لیے سب لوگ مجھ سے بات کر کے خوش ہوتے ہیں۔''

شاگرد نے دریافت کیا: ''کیا آپ کبھی کسی کے غلط خیال کی بھی تردید نہیں کرتے؟''

لقمان حکیم نے کہا: ''بے شک میں بعض لوگوں کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں کرتا اور انھیں سیدھی راہ پر لانا ضروری سمجھتا ہوں مگر میں انھیں محسوس نہیں ہونے دیتا کہ تم غلطی پر ہو۔ میں اپنی بات مثبت طریقے سے پیش کرتا ہوں جس سے وہ میری بات کو اپنے دل کی بات سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ میں جب کسی شخص کو غلطی پر دیکھتا ہوں تو اس پر اعتراض کرنے کی بجائے بڑی ایمانداری کے ساتھ یہ سوچتا ہوں کہ اس کے غلطی میں مبتلا ہونے کا سبب کیا ہے۔ پھر اس بات پر غور کرتا ہوں کہ جن حالات سے اس کو سابقہ پڑا ہے، انھی حالات سے مجھے بھی سابقہ ہوتا اور جو رجحانات اس کے ہیں، وہی رجحانات میرے بھی ہوتے تو اس وقت میں بھی اس غلطی میں مبتلا ہو جاتا یا نہیں۔ ایسا سوچنے کے بعد میں ہمیشہ اسی نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ اس کی جگہ میں ہوتا تو یقیناً اس غلطی میں مبتلا ہو جاتا۔ پھر میں اس کے رجحانات

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اور میلانِ طبع کا لحاظ رکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں اسے اس کی غلطی سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ ایسا کرنے سے محض یہی نہیں کہ خواہ مخواہ کی پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے اور بہت سا وقت بچ جاتا ہے بلکہ مجھ میں لوگوں سے بات چیت کرنے اور نباہنے کی قابلیت کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ کوئی کتنی ہی بڑی غلطی میں کیوں نہ مبتلا ہو مگر خود اپنے آپ کو غلط کبھی نہیں سمجھتا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمیں بہ نسبت دوسروں کے، اپنے رجحانات ہی سے دلچسپی کیوں ہے؟ بس یہی حال سب دنیا کا ہے۔ لوگوں سے نباہ کرنے کی قابلیت اسی پر منحصر ہے کہ ان کے رجحانات اور میلانِ طبع کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور گفتگو سلیقے سے کی جائے تاکہ انھیں ہمارے بارے میں یہ احساس نہ ہو کہ "بڑا آیا ہے ہمیں پڑھانے۔"

چین کے بہت بڑے فلسفی "کاؤ تساؤ" نے بھی ایسا ہی کہا ہے: "دوسروں کے قول و فعل کو غلط ٹھہرانے کی بجائے یہ معلوم کرو کہ وہ اس غلطی میں کیوں مبتلا ہوئے اور ان کا رجحان اور میلانِ طبع کیا ہے۔ اگر تم بردباری اور صبر سے اس بات کا جواب تلاش کرنے پر وقت لگاؤ گے تو بہت جلد ہر دلعزیز ہو جاؤ گے۔ انھیں ٹوکنے میں جلدی کرو گے تو تمھیں پچھتانا پڑے گا۔"

یونان کے عظیم فلسفی سقراط نے اپنے شاگردوں کو دوسروں کو قائل کرنے کا یہ طریقہ بتایا: "گفتگو ہمیشہ ایسے لفظوں سے شروع کرو جن کے جواب میں مخاطب کو 'ہاں' کہنا پڑے۔ ورنہ ایک دفعہ اس کے منہ سے 'نہیں' نکل گئی تو پھر اس کی خودداری اس کو ہاں کہنے کی اجازت نہیں دے گی۔"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

یہاں سلطان محمد تغلق کا ایک واقعہ سنایا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ''ہاں'' کہلوانے کا یہ طریقہ اس پر بھی آزمایا گیا اور اس سے ایسے نتائج حاصل کر لیے گئے کہ لاکھوں افراد کی جانیں بچ گئیں، ورنہ ایسی تباہی مچتی کہ تاریخ اسے کبھی بھلا نہ سکتی۔

کہتے ہیں کہ سلطان نے چین پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کرلیا۔ سلطان کے فوجی افسروں اور سپاہیوں نے جب یہ خبر سنی تو وہ بہت گھبرائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کوہِ ہمالیہ کو پار کر کے چین پر چڑھ دوڑنا کوئی آسان کام نہیں۔ سلطان کا ایک منظورِ نظر اور عقلمند مُصاحب عین الملک تھا۔ سلطان اس کی دانائی اور مشورے پر بھروسہ کرتا تھا۔ فوجی افسروں کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ گھبرائے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا:

''چین پر حملے کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس حملے کو سلطنت کی بربادی کا پیغام سمجھتا ہوں۔ میں خود اس فکر میں ہوں کہ بہت جلد موقع پا کر سلطان کی رائے بدلنے کی کوشش کروں۔''

آخر ایک دن ایسا موقع پیدا ہو گیا۔ وہ سلطان کے پاس بیٹھا تھا اور اس کا موڈ دیکھ کر اس نے گفتگو شروع کر دی جو یوں تھی:

عین الملک: معلوم ہوا ہے کہ جہاں پناہ نے چین پر حملے کا ارادہ کیا ہے؟

سلطان: ہاں۔

عین الملک: چین کو فتح کر کے ہندوستان کا ماتحت بنانا ایک ایسا اہم ارادہ ہے کہ آج تک ہندوستان کے کسی بادشاہ کو ایسا سوچنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

سلطان: عین الملک! تمھارا خیال بالکل ٹھیک ہے۔

عین الملک: جہاں پناہ سب کچھ کر سکتے ہیں کیونکہ سپاہیوں کو سب سے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

زیادہ آرام پہنچاتے ہیں اور بلاضرورت ان کے خون کی ایک بوند گرانا بھی گوارا نہیں کرتے۔

سلطان: بے شک، ہمیں اپنے سپاہی بہت عزیز ہیں۔

عین الملک: چین پر چڑھائی شاید پہاڑی راستے سے کرنا ہوگی کیونکہ دوسری طرف تو دیوارِ چین ہے۔

سلطان: تمھارا خیال دُرست ہے۔

عین الملک: جہاں پناہ! اونچے پہاڑوں کو عبور کر کے چین تک پہنچنا تو بغیر جان پر کھیلے ممکن نہیں۔

سلطان: بے شک۔

عین الملک: پھر پہاڑوں میں راستہ نکالنے اور لڑائیوں کے لیے موجودہ فوج سے کہیں زیادہ فوج مہیّا کرنی ہوگی اور کئی برس تک فوج کو پہاڑی علاقے میں کام کرنا ہوگا۔

سلطان: ہاں، اس میں کیا شک ہے۔

عین الملک: چین کی مہم کے لیے نئی فوج کی ضرورت ہوگی کیونکہ موجودہ فوج کو ملک کی حفاظت کے لیے بدستور اپنا کام جاری رکھنا ہوگا۔

سلطان: تم ٹھیک کہتے ہو، عین الملک!

عین الملک: جتنی فوج پہاڑی علاقے میں کام کرے گی، اتنی ہی فوج کمک (Reinforcement) کے لیے درکار ہوگی کیونکہ کئی کئی میل اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بہت سے سپاہی وقتاً فوقتاً سردی میں ٹھٹھر کر مرتے رہیں گے۔ ان کی جگہ لینے کے لیے دوسرے سپاہی تیار رکھنے کی ضرورت ہوگی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سلطان: تم بہت دُور اندیش ہو، عین الملک!

یہ جملہ سنتے ہی عین الملک نے محسوس کرلیا کہ اب وہ سلطان کا ارادہ بدلوانے میں کامیاب ہوگیا ہے اور یہ محسوس کرتے ہی وہ خاموش ہوگیا، چنانچہ یہی نتیجہ ہوا کہ سلطان نے دو چار روز بعد چین پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

عین الملک نے سلطان کی رائے بدلنے کا جو عجیب وغریب طریقہ اختیار کیا، وہ وہی طریقہ تھا جو اب سے کئی ہزار برس قبل سقراط نے بیان کیا تھا۔ وہ دشمنوں کو دوست بنانے اور مفسد لوگوں سے اپنی بات منوانے میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ دورانِ گفتگو مخاطب سے ایسے سوالات کرتا تھا جن کا وہ جواب اقرار میں دینے پر خود کو مجبور پاتا تھا۔ وہ لوگوں سے ہاں پر ہاں کہلوائے جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ اس بات پر بھی ہاں کہلوالیتا تھا جو دراصل اسے کہلوانا ہوتی تھی۔

.....

گفتگو کے اس سقراطی طریقے کو نازی مجرموں کے مقدمے کے دوران میں بھی بڑے مؤثر انداز میں آزمایا گیا۔ ہوا یوں کہ جب ہٹلر کی فوجوں نے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تو اتحادی جرنیلوں نے تمام بڑے بڑے نازی لیڈروں گوئرنگ، ولیم کائٹل اور ربن ٹراپ وغیرہ کو گرفتار کرلیا۔ ایئر مارشل گوئرنگ تو ہٹلر کا جانشین تھا، کائٹل کمانڈر انچیف اور ٹراپ وزیر خارجہ کی حیثیت سے کام کرتا رہا تھا۔ اتحادیوں نے سب نازی لیڈروں کو نیورمبرگ جیل میں قید کردیا اور یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے ججوں کی عدالت کے سامنے پیش کیا۔ گوئرنگ، ولیم کائٹل ربن ٹراپ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے جُرم کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور ہر الزام کا جواب ''نہیں'' میں دینا شروع کیا۔ امریکہ، برطانیہ، روس اور فرانس جیسی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

طاقتوں نے ہر چند کوشش کی کہ نازی لیڈر اپنے جرائم کو تسلیم کرلیں مگر وہ انکار پر ایسے اڑے کہ سب بے بس ہو گئے۔ دنیا کے بہترین وکیل اپنا سر پٹخ کر رہ گئے مگر کسی سے اقرارِ جرم نہ کرا سکے۔ نازی لیڈروں کا اعترافِ جرم نہ کرنا، اتحادیوں کی سخت عدالتی ناکامی کے مترادف تھا، چنانچہ اس مسئلے کا حل امریکی ماہرینِ نفسیات کی ایک ٹیم نے پیش کیا۔ وہ ملزموں سے آ کر ملے تو انھیں سخت اشتعال میں پایا جو اپنے انکار پر سختی سے جمے ہوئے تھے۔ اس پر ٹیم اس نتیجے پر پہنچی کہ اتحادی فوجی افسروں نے غلط طریقے سے تفتیش کا آغاز کیا ہے اور شروع میں ایسے سوالات کر ڈالے ہیں کہ جن کا جواب قیدیوں نے ''نہیں'' میں دے دیا ہے اور اب وہ قدرتی طور پر اپنی ''نہیں'' پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے اس غلطی کو واضح طور پر محسوس کر کے اپنا طریقِ کار یکسر تبدیل کر دیا اور ایسے سوالات پوچھنا شروع کر دیے جن کا جواب فقط ''ہاں'' ہی ہو سکتا تھا۔ سوالات اس قسم کے تھے:

* آپ کو ابتدا میں یہ توقع ہرگز نہ ہوگی کہ جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ جائے گا۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟
* آپ کو اپنے گرفتار ہونے کا اندیشہ تک نہ ہوگا، ہے ناں یہی بات؟
* آپ نے یہ جنگ اقوامِ عالم کی بھلائی کے لیے شروع کی تھی، ٹھیک ہے کہ نہیں؟
* آپ کے خیال میں نازیوں کے پچھلے کارنامے یقیناً قابلِ فخر ہوں گے؟
* کیا آپ ان لوگوں کے طرزِ عمل سے متنفر ہیں جنھوں نے اس جنگ کے دوران میں شہری آبادیوں پر مظالم ڈھائے؟
* آپ کے خیال میں جنگ کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ عام لوگوں پر تباہی و بربادی نازل کر دی جائے، کیا یہ بات ٹھیک ہے؟

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

* آپ کو ان مظالم کا کوئی علم نہیں جو کہا جاتا ہے کہ جرمنوں کے ہاتھ سے دوسرے ملکوں کے بے گناہ باشندوں پر ہوئے؟
* آپ کے خیال میں وہ لوگ سچے جرمن نہیں ہیں جنھوں نے دورانِ جنگ غیر ضروری خونریزی، غارت گری اور سنگدلی کا مظاہرہ کیا، یا ان کی حوصلہ افزائی کی؟

ظاہر ہے کہ نازی قیدی ان سوالات کا جواب ''نہیں'' میں دے ہی نہیں سکتے تھے۔ ان ماہرین نے اس قسم کے بے شمار سوالات کے ذریعے سے نازی ملزموں کے اندر ایجاب و اقرار کا رجحان پیدا کر دیا اور رفتہ رفتہ ان سے اعترافِ جرم کرا لیا۔

.....

''ہاں'' کہلوا سکنے کے ہنر نے محمد علی جناح کو پاکستان کا مقدمہ لڑنے میں بھی بڑی مدد دی۔ اس سلسلے میں 1946ء کا یہ واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جب مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان مفاہمت کی کوئی امید نہ رہی اور ہندوستان کے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے تو حکومتِ برطانیہ نے آخری مشورے کے لیے دونوں پارٹیوں کے ممتاز لیڈروں کو لندن میں بلایا۔

یہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ مسلم لیگ کی طرف سے محمد علی جناح اور لیاقت علی خان اور کانگریس کی جانب سے پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ لندن کانفرنس میں شرکت کے لیے پہنچے۔ اس وقت برطانوی لیڈروں کی کثیر تعداد قیامِ پاکستان کو ناقابلِ قیاس، لغو، محال اور ناممکن العمل سمجھتی تھی۔ ایک دن کسی ضیافت میں محمد علی جناح اور حکومتِ برطانیہ کے سرکردہ ارکان جمع تھے۔ اتفاق سے اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی کہ ہندوستان کا بٹوارہ ہرگز ہرگز نہیں ہونا چاہیے، البتہ مسلم لیگ کے نمائندوں کو حکومت میں پورا پورا اختیار و اقتدار حاصل ہونا چاہیے۔ محمد علی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جناح نے اس وقت جو برجستہ گفتگو کی وہ لائقِ صد تحسین تھی۔ انھوں نے کہا کہ قیامِ پاکستان کے ضعیف یا قوی امکانات پر بحث کرنے سے قبل مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے سامنے چند سوالات پیش کروں اور آپ مجھے ٹھنڈے دل سے ان کا جواب دیجیے۔

برطانوی ارکان: پوچھیے۔

محمد علی جناح: برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ ہمیشہ اقوامِ عالم کی آزادی کا محافظ رہا ہے، کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟

ارکان: جی ہاں!

محمد علی جناح: برطانیہ کے خیال میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنی وسیع مملکت (جس پر کہا جاتا تھا کہ سورج کبھی غروب نہیں ہوتا) کے متعدد ملکوں کو آزادی کی دولت بخشی ہے، مثلاً: کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ؟

ارکان: بے شک یہ درست ہے۔

محمد علی جناح: کہا جاتا ہے کہ برطانیہ ہندوستان کو آزادی دینے کے لیے تیار ہے؟

ارکان: جی ہاں، برطانیہ اس کے لیے بالکل تیار ہے۔

محمد علی جناح: برطانیہ ہر باشعور قوم کو آزادی کا مستحق سمجھتا ہے؟

ارکان: یقیناً ہر باشعور قوم اس کی مستحق ہے۔

محمد علی جناح: کیا ہندوستان کے مسلمان بھی اس کے مستحق ہیں؟

ارکان: کیوں نہیں! جب ہندوستان آزاد ہوگا تو مسلمان بھی آزاد ہوں گے۔

محمد علی جناح: جن صوبوں میں کانگریسی حکومت ہے اور مسلمان وہاں بہت کم ہیں، کیا برطانیہ کے علم میں ہے کہ وہاں کتنی بے دردی سے مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے؟

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ارکان: بے شک برطانیہ کو اس کا علم ہے اور اس وحشیانہ حرکت پر اسے شدید افسوس ہے۔

محمد علی جناح: ان واقعات کے ہوتے ہوئے کیا یہ درست نہیں کہ مسلمانوں کے تحفظ کی ضمانت کے بغیر ہندوستان کی آزادی مسلمانوں کی سیاسی اور تمدنی موت کا پیغام ہوگی؟

اس مختصر بات چیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی صحبت میں برطانوی حکومت کے سرکردہ اور بااختیار ارکان نے مطالبۂ پاکستان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور محمد علی جناح کے چند صاف، سادہ اور دل نشین سوالات نے برطانوی سیاستدانوں کے دل ودماغ کو مسحور کر لیا اور جب وہ لندن سے ہندوستان واپس آئے تو اخبارات کی سرخیوں کے مطابق پاکستان ان کی جیب میں تھا۔

اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ محمد علی جناح نے چالاک انگریز مدبّرین کو قائل کرنے کے لیے کونسا نفسیاتی حربہ اختیار کیا؟ اُنھوں نے شروع ہی سے ایسے مسائل پر گفتگو کی جو متفقہ اور مسلّمہ تھے۔ برطانوی سیاستدان ان کی تائید پر مجبور تھے۔ جب محمد علی جناح نے ان سے ہر بات پر ''ہاں'' کہلوالی تو آخر میں وہ سوال کیا جو اگر شروع میں کیا جاتا تو یقیناً اس کا جواب ''نہیں'' کی صورت میں ہوتا۔

.....

''ہاں'' کہلوانے کی افادیت کے حوالے سے ذیل کا واقعہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے:

ہندوستان میں تقسیم سے قبل کے زمانے میں قومی زبان کی بحث بڑے زوروں پر تھی۔ کراچی میں ایک اخبار کے دفتر میں ایک ادیب، ایڈیٹر سے اس مسئلے پر گفتگو کر رہا تھا کہ عین اسی وقت کانگریسی وضع کے ایک پنڈت جی آ گئے جو ایک مقامی کالج

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں ہندی زبان کے پروفیسر اور ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔ ادیب نے بحث میں انھیں شامل کرنے کی غرض سے ان سے سوال کیا:

پنڈت جی! آپ کے خیال میں ہندوستان کی قومی زبان کونسی ہونی چاہیے؟

پنڈت چونکہ ہندی زبان کی تدریس پر مامور تھے اور کانگریس کے سرکردہ رہنماؤں میں سے تھے، اس لیے انھیں جواب دینے میں دیر نہ لگی، بولے: ''ہندی ہونی چاہیے۔''

ادیب تو خاموش ہو گیا مگر ایڈیٹر نے پوچھا: ''کیوں''؟

اس پر پنڈت جی تاریخ کے حوالوں سے اردو پر ہندی کی فضیلت ثابت کرنے لگے تو ایڈیٹر نے بحث کی طوالت کے خوف سے نہایت نرمی سے یہ سوال کر دیا:

پنڈت جی! قومی زبان تو سارے ملک کی زبان ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی ایک طبقے کی زبان تو نہیں ہو سکتی؟

پنڈت: جی ہاں۔

ایڈیٹر: اور سب لوگوں کی زبان کی یہ بھی خصوصیت ہونی چاہیے کہ اسے سب لوگ سمجھ سکیں؟

پنڈت: جی ہاں۔

ایڈیٹر: قومی زبان صرف وہی زبان ہو سکتی ہے جو ملک کے ہر علاقے میں بولی جائے یا کم از کم سمجھی جا سکے؟

پنڈت: جی ہاں۔

ایڈیٹر: اور یہ بھی کہ اس زبان میں ہر طبقے کی تہذیب و تمدن کا رنگ شامل ہو؟

پنڈت: جی ہاں۔

ایڈیٹر: یہ تو ناممکن ہے کہ چند آدمیوں کی پسند و ناپسند سے کوئی زبان کروڑوں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آدمیوں کی زبانوں پر چڑھ جائے اور قومی زبان بن جائے؟

پنڈت: جی ہاں۔

ایڈیٹر: قومی زبان پورے ملک کے عوام کی مرضی سے بننی چاہیے؟

پنڈت: جی ہاں۔

ایڈیٹر: مسلمان بھی ہندوستان کے باشندے ہیں اور تعداد میں کم وبیش دس کروڑ ہیں؟

پنڈت: جی ہاں۔

ایڈیٹر: قومی زبان ایسی ہونی چاہیے کہ جسے ہندوستان کے یہ دس کروڑ باشندے بھی بول اور سمجھ سکیں؟

پنڈت: جی ہاں۔

جب پنڈت جی چند منٹ تک پے در پے ''جی ہاں، جی ہاں'' کہہ چکے تو یہ بات کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی کہ اردو زبان میں ہندوستان کی قومی زبان بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔

اگر آپ لوگوں کو کسی مسئلے پر اپنا ہمنوا اور ہم خیال بنانا چاہتے ہیں تو بات چیت میں ایسے سوالات کریں جن کے جواب میں وہ آپ کے حسبِ منشا ''ہاں'' یا ''نہیں'' کہنے لگیں۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مباحثے کا انداز

فرمانِ رب العالمین ہے:

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

''اور اُن سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔'' (النحل 16:125)

اس آیت میں ہمیں لوگوں سے دلنشین انداز میں گفتگو کرنے اور پیغامِ ہدایت ان کے ذہن نشین کرانے کی جو ہدایت کی گئی ہے، اس میں ہم پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے کہ ہم اس کام کے لیے بہتر سے بہتر تدبیر اختیار کریں اور اس کے لیے نئے نئے راستے تلاش کریں۔

یہ حکم ایسے ہی ہے جیسے مسلمانوں کو اپنی جہادی تیاریاں جاری رکھنے اور امن کے دنوں میں اپنے گھوڑے پالنے پوسنے اور مشقیں کرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ وقت پڑنے پر وہ بلاتوقف حملہ کرسکیں اور حملے کا جواب بھی دے سکیں، خواہ حالاتِ زمانہ نے گھوڑوں کو ٹینکوں اور طیاروں سے بدل دیا ہو۔ یہ اُسی بنیادی حکم کی تفصیل ہے۔

گفتگو کا فن بھی زمانۂ امن میں مشن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ پیغام کو مؤثر بنانے کے لیے کچھ باتیں پچھلے صفحات میں بیان کر دی گئی ہیں اور چند باتیں آگے دی جارہی ہیں۔

ایک بات یہ ہے کہ اپنے مخاطب کے نظریات پر جارحانہ طور پر نہیں جھپٹنا چاہیے۔ اسے اپنے نظریات اس لیے بھی عزیز ہوں گے کہ اس نے جس

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گھرانے میں آنکھ کھولی ہے، اس میں یہ نسل در نسل چلتے آ رہے تھے۔ اگر آپ نے اسے اپنا ہم خیال بنانا ہے تو آپ کو دھیرے دھیرے چلنا ہوگا۔

.....

اہلِ چین نے پانچ ہزار برس تک انسان کی فطرت کا جائزہ لیا اور پھر اس نتیجے پر پہنچے: ''جو دھیرے دھیرے چلتا ہے، وہ زیادہ راستہ طے کرتا ہے۔'' اس مقولے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کو رفتہ رفتہ ہم خیال بنانے کی کوشش کرو۔ چھوٹتے ہی ایسی بات نہ کہو جس سے وہ برافروختہ ہو کر مخالفت پر آمادہ ہو جائے کیونکہ اگر ابتدا ہی میں بات ماننے سے ضد ہو گئی تو پھر وہ کبھی نہیں مانے گا۔

کبیر داس نے اپنے ایک دوہے میں لکھا ہے:

''بابا! اگر تیری دونوں آنکھیں سلامت ہیں، تب بھی ایک آنکھ والے پر اعتراض نہ کر، شاید وہ تجھ سے زیادہ نظر رکھتا ہو۔''

شیخ سعدی لکھتے ہیں:

''سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو اپنی صحیح رائے پر قائم رہے مگر اس سے مختلف رائے رکھنے والے پر اعتراض نہ کرے۔''

لکھنؤ کے ایک ٹیچرز ٹریننگ کالج میں چند سال پہلے ہال کے اندر جو کتبے آویزاں تھے، ان میں سے ایک کتبے پر لکھا تھا:

''اولاد تک کو ان کی غلطی پر اس طرح نہ ٹوکو کہ ان میں ضد پیدا ہو جائے۔''

امریکہ کا ایک فلسفی لکھتا ہے:

''بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دوسرے کی رائے کو نہ صرف زبان سے غلط کہتے ہیں بلکہ ان کے تیور بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اس کی رائے کو حقیر سمجھ رہے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہرگز یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ ان کا مخاطب ذرّہ بھر بھی ان سے اتفاق کرے گا کیونکہ انھوں نے اس کی عقل، ذہانت اور خود داری پر حملہ کیا ہے۔ اب وہ حملے کا جواب حملے ہی سے دے گا اور دنیا بھر کی منطق اور دلائل بھی اسے قائل کر کے رائے تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

.....

سر سید احمد خان کے بیٹے سید محمود بیرِسٹر نے اپنے تجربات میں لکھا ہے:

"بعض لوگ اعتراض کر کے اپنے ہم خیال شخص کو بھی اپنا مخالف بنا لیتے ہیں، چنانچہ مجھے خود اپنے ایک مقدمے کے دوران میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ میں ایک مرتبہ الٰہ آباد ہائی کورٹ میں ایک بہت بڑی جاگیر کے مقدمے میں بحث کر رہا تھا۔ مقدمے کی ہار جیت پر لاکھوں کے نفع نقصان کا انحصار تھا۔ میں نے قانونی حیثیت سے بہترین بحث کی تھی جس کو سن کر تمام بیرسٹر جو وہاں موجود تھے، یہ طے کر چکے تھے کہ مقدمے کا فیصلہ میرے مؤکل کے حق میں ہوگا۔ چیف جج بھی فریقِ مخالف کے وکیل سے کچھ ایسے سوالات کر رہا تھا جن سے میری موافقت ظاہر ہوتی تھی۔ اتفاق سے چیف جج نے میری موافقت میں بمبئی ہائی کورٹ کی ایک نظیر (Precedent) کا حوالہ دیا۔ مجھے یاد تھا کہ وہ فیصلہ بمبئی ہائی کورٹ کا نہیں بلکہ کلکتہ ہائیکورٹ کا تھا۔ میں نے چیف جج کو مخاطب کر کے کہا:

"مائی لارڈ! آپ بھولتے ہیں، یہ نظیر بمبئی کی نہیں بلکہ کلکتہ ہائیکورٹ کی ہے۔" یہ جملہ سنتے ہی جج کے تیور بدل گئے۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ بھری عدالت میں اس کی یادداشت کی توہین کر دی گئی ہے۔ میں سوچا کرتا تھا کہ میرے منہ سے یہ جملہ نہ نکلتا تو مجھے یقین تھا کہ میں یہ مقدمہ کبھی نہ ہارتا۔

.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

یہی بات ایک بار راقم کو لاہور کے ممتاز وکیل حکم قریشی صاحب نے اپنے چند مشاہدات کے حوالے سے بتائی تھی۔ میں صحافت کے ساتھ ساتھ تین چار سال سائیڈ جاب کے طور پر وکالت بھی کرتا تھا اور جناب حکم قریشی لاء کالج میں میرے استاد بھی تھے اور ہمارے سیکشن کو (Conveyancing and Pleading) ''کنوینسنگ اینڈ پلیڈنگ'' پڑھاتے تھے۔ میں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وکالت شروع کی تو کبھی کبھی میں ان سے کسی مسئلے پر مدد لے لیتا تھا اور وہ بڑی شفقت سے میری رہنمائی کرتے۔ ایک بار وہ ''ایوانِ عدل'' میں ایک جج کی عدالت سے باہر نکل رہے تھے کہ آمنا سامنا ہو گیا۔ میں حسبِ معمول تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ وہ پسینہ پسینہ دکھائی دے رہے تھے۔ علیک سلیک کے بعد کہنے لگے: میں گھر جا رہا ہوں (ان کا گھر گلبرگ III میں تھا) وقت ہو تو میرے ساتھ چلو۔ واپسی پر تمھیں تمھارے دفتر (روز نامہ مشرق) کے پاس ڈراپ کر دوں گا۔ میں اپنے استاد کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔ میں ان کی گاڑی میں بیٹھ گیا، انھوں نے اساتذہ کی پرانی روایت نبھاتے ہوئے کہا:

''یحییٰ! میں ایک بات آج بہت اچھی طرح سمجھا ہوں.....'' پھر کہنے لگے:

''یہ بات تو ہر وکیل جانتا ہے کہ When to Speak (کب بولنا چاہیے) مگر یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ When not to Speak (کب نہیں بولنا چاہیے)۔''

پھر انھوں نے ایسے کئی واقعات سنائے جن میں بے وقت بول پڑنے والے وکیلوں نے نقصان اٹھائے اور جیتی ہوئی بازی ہار گئے۔ وہ نقصان درحقیقت مؤکلوں ہی کو اٹھانے پڑے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس طرح گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے دوران میں انھوں نے راقم کو اتنا کچھ بتا دیا جو کئی کتابوں پر بھاری تھا۔

.....

اور یہ بات بھی کسی لطیفے سے کم نہیں کہ بعض مؤکل اپنے مقدمات کی رُوداد فخر سے سناتے ہوئے کہتے ہیں:

''ساڈا وکیل تے بہت بولیا پر جج اُتے اس دا کوئی اثر ای نئیں ہویا۔''

گویا وہ بسیار گوئی کو وکیل کے اچھا ہونے کا معیار سمجھتے ہیں۔ اور وکلا بھی جب دیکھتے ہیں کہ ان کے مؤکل کے کیس میں جان نہیں ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ بول کر اس کو مطمئن کر دیتے ہیں۔

.....

ذیل کا واقعہ اگرچہ موضوع سے قدرے ہٹ کر ہے مگر دلچسپ ہونے کے باعث بیان کرنا چاہتا ہوں:

اس کے راوی ایک ممتاز سیاسی ورکر ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف پاکستان قومی اتحاد کی تحریک زوروں پر تھی۔ نت جلوس نکل رہے تھے۔ دفعہ 144 توڑی جا رہی تھی۔ گرفتاریاں بھی ہو رہی تھیں اور عدالتیں دھڑا دھڑ ضمانتیں بھی لے رہی تھیں۔ ججوں کا رویّہ اتنا نرم ہو گیا تھا کہ وہ بعض اوقات کاغذات مکمل نہ ہونے کے باوجود بھی ''ضمانت'' پر رہائی کے احکام جاری کر دیتے تھے کیونکہ حوالات اور جیلوں میں جگہ ہی نہیں رہی تھی۔

اس ورکر کا کہنا ہے کہ ہم عدالت کے باہر اپنے وکیل کا انتظار کر رہے تھے کہ اتنے میں عدالت کے اہلکار نے ہمارے کیس کی ''آواز'' لگا دی، چنانچہ ہم وکیل کے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بغیر ہی اندر چلے گئے۔ جج نے فوراً ہمارے دس کے دس گرفتار شدگان کی ضمانت منظور کر لی۔ ہم خوشی خوشی باہر نکلے اور برآمدے میں سے گزر رہے تھے کہ ہمارے وکیل صاحب تیزی سے ہماری طرف آتے دکھائی دیے۔ وہ قریب پہنچے تو ہم نے انھیں خوشخبری سنادی۔ وہ کاغذات کو ہمارے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولے:

''یہ کیسے ہو گیا! میں کیس کی اتنی تیاری کر کے آیا ہوں اور ابھی میں نے اپنا موقف پیش کرنا ہے۔''

وہ کمرۂ عدالت کی جانب روانہ ہو گئے، ہم بھی پیچھے پیچھے تھے۔ اندر داخل ہوئے اور کہا: ''مائی لارڈ! کیس یوں ہے کہ.....''

جج نے کہا: ''جی ہاں، میں ضمانت منظور کر چکا ہوں۔''

وہ بولے: ''ٹھیک ہے' But I want to argue' (لیکن میں دلائل دینا چاہتا ہوں)۔''

جج صاحب خاموش ہو گئے اور صبر سے ان کی تقریر سنتے رہے۔ وکیل صاحب پندرہ بیس منٹ مسلسل دلائل دیتے رہے اور جب خاموش ہوئے تو جج نے اپنے اندرونی تاثر کو چھپاتے ہوئے نہایت نرمی سے کہا:

''لہٰذا میں پھر ضمانت منظور کرتا ہوں۔''

اس پر ہم سب باہر نکل آئے اور وکیل صاحب نے ''فاتحانہ'' انداز میں کہا:

''دیکھا نا، اب باقی ملزموں کی رہائی میں آسانی ہو جائے گی۔''

یہ بھی بلاضرورت بولنے اور اپنی طاقت (Energy) ضائع کرنے کی ایک مثال تھی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

عبادات، اطمینانِ قلب اور قبولیتِ دعا

عبادت کا تصور ہر دور میں اور ہر قوم میں ہمیشہ موجود رہا ہے۔ بت پرست آتش پرست اور مَظاہر پرست، کسی نہ کسی ہستی کی عبادت کرتے ہیں۔ گویا وہ سب مذہبی لوگ ہیں مگر ان میں فرق تصورِ الٰہ کا ہے۔ اس تصور کے حوالے سے بھی ہر قوم دو گروہوں میں بٹ جاتی رہی ہے۔

ایک وہ گروہ جو اَن دیکھے الٰہ کو نہیں مانتا۔ اس گروہ کو دہریہ (Atheist) ملحد، الحاد پرست، منکرِ اِلٰہ یا لاادری (Agnostic) کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ مادّی مظاہر، مثلاً: پانی، ہواؤں، طوفانوں، زلزلوں اور تخلیقِ انسان وحیوان کے پیچھے کسی اَن دیکھی ہستی کا منشا و مرضی نہیں پاتا۔ اس گروہ کے ارکان ہر قوم میں اور ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔ امتِ مسلمہ بھی ان کے وجود سے خالی نہیں۔ ان کا نام اگرچہ مسلمانوں کی فہرست میں ہمیشہ شامل رہا ہے مگر انھیں الگ سے شناخت نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اعمال ہی ہیں جو ان کی اِلٰہ سے متعلقہ سوچ کو بے نقاب کر دیتے ہیں اور کبھی کبھی یہ ان کی زبان پر بھی آ جاتی ہے۔ وہ انسان کی تخلیق، بارشوں کے برسنے، طوفانوں اور زلزلوں کی آمد کی مادّی توجیہات کر کے بزعمِ خود زبردست عقل ودانش کا مظاہرہ کر ڈالتے ہیں مگر ان کے پیچھے اصل کارفرما قوت کے بارے میں وہ بالکل خالی الذہن (Blank) ہوتے ہیں۔ اپنے سامنے اپنے مرنے والے دوستوں اور رشتہ داروں کی تدفین کرتے ہیں، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک دن ہمیں بھی سپردِ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خاک کر دیا جائے گا۔ مگر مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے یا کیا ہوگا؟ وہ اس بارے میں بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اگر آخرت کا ذکر چھیڑ دیا جائے تو یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں:

''اچھا دیکھ لیا جائے گا جو کچھ دوسروں کے ساتھ ہوگا، وہ ہمارے ساتھ بھی ہو جائے گا۔''

اس طرح اِلٰہ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ماننے والوں اور اس کا ذکر آنے پر سر جھٹک دینے والوں میں ایک واضح فرق سامنے آجاتا ہے۔ ملحدوں کا یہ رویّہ بے حد مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ یہ دراصل اس ذاتِ بے ہمتا کے تصور سے انکار کر کے اپنے آپ کو اور اپنی سوچ کو برتر مان رہے ہوتے ہیں اور اپنی راہ میں خود کانٹے اُگاتے ہیں۔ یہ جب بیمار پڑتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ کسی قانون کو توڑتے ہیں تو اس کے نتائج سے بچنے کے لیے وکیل کا سہارا لیتے ہیں اور جب کسی ایسی مصیبت میں پھنستے ہیں جو ڈاکٹر، وکیل یا دنیا کے کسی اور شخص کی پہنچ سے باہر ہو تو اس عظیم طاقت سے مدد نہیں مانگتے جو قادرِ مطلق ہے اور ان سمیت جملہ کائنات کی خالق و مالک ہے۔ اور جب ان سے پوچھا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کے منکر کیوں ہو؟ تو بڑے تکبّر سے کہتے ہیں:

''صاحب ایسے وجود کا میں کیسے یقین کر لوں جو میرے فہم و ادراک سے باہر ہے؟''

لیکن یہی لوگ بغیر سمجھے بوجھے ٹیلی ویژن سیٹ، جیٹ طیاروں اور ایٹم بموں پر یقین کرنے لگتے ہیں۔ نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ سائنس کے کرشموں کو تو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں اور عبادت کے اثرات کو جھٹلا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو اس اطمینانِ قلب سے محروم رکھتے ہیں جو اپنے ربّ سے باتیں کرنے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سے حاصل ہوتا ہے۔

عبادت کے بہت سے فوائد ایسے ہیں جن کو منکرینِ دین سمجھنے سے قاصر ہیں۔ عبادت خود شناسی کا ذریعہ بنتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو پہچان کر اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اپنے رب کو پہچان کر خود سے آگاہ ہوتا ہے۔ ایک ایسی ہستی جو خالق مالک، رازق، قوی، عزیز، علیم اور حکیم ہے، اسے پہچان کر وہ اپنی برائیوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خود غرضی، تعصّب اور ظلم پسندی سے نجات حاصل کر لیتا ہے جو اس کے دشمن ہیں۔

بعض لوگ عبادت کرتے ہوئے بھی ان نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دن رات چند مرتبہ چند جملے اوپری دل سے ادا کرنے ہی کو عبادت کہتے اور سمجھتے ہیں جبکہ صحیح عبادت خلوصِ دل ہی سے ممکن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک اور رب ماننے کا فطری تقاضا ہے کہ اس کے احکامات پر عمل کیا جائے اور جن چیزوں سے اس نے باز رہنے کا حکم دیا ہے، ان سے باز رہا جائے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس عظیم ہستی کا انکار اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کا اظہار ہے، یعنی اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر ذہین ہیں، اس لیے انکار کر رہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ عوام عبادت کرتے ہیں تو کریں لیکن ہمیں اس مُہمل کام کی کیا ضرورت ہے۔ وہ عبادت پر شرمندہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ دراصل اس بات سے بے خبر ہیں کہ دنیا کی عظیم ترین ہستیاں اللہ تعالیٰ کی قائل رہی ہیں۔ متعدد بڑے بڑے محقق اور سائنسدان اپنے شروع کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے منکر تھے لیکن بعد میں جا کر وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی عظمت کے قائل ہو گئے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ان منکرین کو چھوڑیے، اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں میں بھی ایسے لوگ ملیں گے جو کسی آزمائش یا مصیبت کے وقت ہی عبادت کرتے ہیں اور خوشحالی اور بے فکری کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کو بھلائے رہتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو روزانہ عبادت تو کرتے ہیں لیکن عبادت کے مقصد کو نہ خود سمجھتے ہیں اور نہ کسی سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں یا مصائب میں اس کی مدد چاہتے ہیں لیکن دعا میں کبھی کبھی ایسی باتیں بھی شامل کر لیتے ہیں جو دوسروں کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں۔ اگر بچے کے منہ سے ایسے کلمات نکلیں تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے لیکن بالغ عقلمند انسانوں کے لیے ایسے کلمات ادا کرنا درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے محض کسی بات کی خواہش کے اظہار سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے دعا کیجیے لیکن خود اس کی تکمیل کے لیے تدبیر ضرور کیجیے۔ صحیح عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا مانگیے اور خود اپنی مدد کرنے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑیے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اللہ اُنھی کی مدد کرے گا اور دوسروں کو اپنی نعمتوں سے محروم کر دے گا (ذات باری تعالیٰ کے بارے میں ایسا تصوّر بے بنیاد ہے)۔ کئی لوگوں کو جن میں گدی نشین قسم کے لوگ سرِ فہرست ہیں، یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے: ''ہم گناہ گار سہی مگر ہمارے بزرگوں نے بڑی محنتیں کی ہیں، ہمارے وسیلے سے جو کوئی دعا کرائے گا، مرادیں پائے گا۔'' یہ ان کی غلط فہمی ہے جو برہمنی سوچ کی آئینہ دار ہے۔ اللہ سب کا الٰہ ہے، سب پر مہربان ہے اور ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کا خواہاں ہوتا ہے، بشرطیکہ یہ مدد دوسروں کو ناحق تباہ کرنے کے لیے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نہ مانگی گئی ہو۔ دعا جائز مقاصد کے لیے مانگی جانی چاہیے۔ حرام کاموں میں مدد کے لیے نہ مانگی جائے اور اخلاص سے مانگی جائے۔

.....

ایک اور بات کا خیال رکھیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دانستہ کی ہوئی غلطیوں کی تلافی نہیں کرتا۔ فرض کیجیے، کسی نے اپنی ملازمت کے دوران میں کئی سنگین بدعنوانیاں کی ہیں، کبھی وقت پر دفتر یا فیکٹری میں حاضر نہیں ہوا، مالکان کا وقت چوری کرتا رہا ہے اور اب ضابطے کے شکنجے میں آ گیا ہے، یا کوئی طالبِ علم امتحان کے پرچے میں ''جرمنی کو ہندوستان کا حصہ'' لکھ آیا ہے اور اب دعا مانگ رہا ہے: ''الٰہی تو جرمنی کو ہندوستان میں شامل کر دے۔'' ایسی کوتاہیوں کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ اس کی دُعا کسی دوسری شکل میں قبول کر لے، اسے اس کے نامۂ اعمال میں، اس کی نیکیوں میں شامل کر کے وہاں اس کو جزا دے دے، مگر اس مادّی دنیا میں منطقی نتائج مرتب ہو کر رہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾

''بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو نہیں بدلتا، حتیٰ کہ وہ خود اپنے دلوں کی کیفیت کو بدل لیں۔'' (الرعد 11:13)

اگر کوئی شخص کسی بُری نیت سے گھر سے نکلتا ہے، کسی جرم و معصیت، چوری ڈکیتی، اغوا یا رہزنی کی تیاری کر کے نکلتا ہے اور ان قبیح کاموں میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرتا ہے جس پر وہ قانون کے شکنجے میں آ جاتا ہے اور اس کی ماں اس کے ارادے سے بے خبر گڑگڑا کر بیٹے کے کامیاب ہونے اور بخیریت واپس آنے کے لیے دعا مانگتی ہے تو نیتوں کا جاننے والا رب ایسی دعاؤں کو کیسے قبول کر سکتا ہے؟

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ماں کو اپنی دُعا کا صلہ کسی اور شکل میں ضرور ملے گا مگر اس کی دعا، اس خبیث بیٹے کو ہرگز فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

.....

مجھے ایک ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کا بیان کردہ واقعہ یاد آ گیا۔ اس نے بتایا:

''ایک شخص قتلِ عمد کے مقدمے میں حوالات میں تھا اور اس کا کیس میرے زیرِ سماعت تھا اور فیصلے کا وقت قریب آ چکا تھا۔ ایک روز نمازِ فجر کے بعد جب امام صاحب خشوع و خضوع سے دعا کرانے لگے تو ایک شخص نے کہا: دعا کیجیے کہ میرا بیٹا (نام لیتے ہوئے) مقدمے میں بری ہو جائے۔ (یہ شخص ستّر اسّی میل کے فاصلے سے چل کر یہاں پہنچا تھا اور اسے کسی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ میں اسی مسجد میں نمازِ فجر ادا کرتا ہوں)۔ ظاہر ہے کہ سب کے ساتھ مجھے بھی 'آمین' کہنا تھی، وہ میں نے کہہ دی اور ساتھ ہی امام صاحب سے کہا: یہ بھی دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اس پر ملزم کے باپ کو بھی آمین کہنا پڑی۔

وہ شخص جو کئی سماعتوں کے دوران میں عدالت میں آ چکا تھا اور میں نے بھی اسے شناخت کر لیا تھا، مسجد سے نکلتے ہوئے ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اس کے انداز میں لجاجت تھی اور میرے دل میں یہ عزم تھا کہ اِن شاء اللہ ناانصافی نہیں کروں گا، چنانچہ ہم آپس میں کوئی کلام کیے بغیر اپنی اپنی راہ چل دیے۔''

.....

شیخ سعدی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شدید خشک سالی تھی۔ ایک استاد تپتی دوپہر کو اپنے شاگردوں کی بڑی تعداد سمیت نماز استسقا ادا کر کے واپس گاؤں کی طرف آ رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک ظریف طبع شخص ملا اور اس نے پوچھا:

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''اے استاد! کہاں سے آ رہے ہیں؟''

اس نے کہا کہ دیکھتے نہیں کتنے عرصے سے بارش نہیں ہوئی، میں بچوں کو نمازِ استسقا کے لیے لے گیا تھا کیونکہ بچوں کی دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ ظریف مسکرایا اور بولا:

اگر بچوں کی دُعا زیادہ قبول ہوتی تو دنیا میں ایک استاد بھی زندہ نہ رہتا۔

دعائے کودکاں گر مستجاب بودے
ہیچ استاد در جہاں زندہ نہ بودے

.....

راقم 1946ء میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ ہمارے ریاضی اور جغرافیے کے استاد سید عبداللہ عُرف ''باجی استاد'' بڑے سخت گیر ہوتے تھے۔ ہر طالبِ علم کو قریب بلا کر پہاڑے سنانے کو کہتے۔ جب ایک دفعہ روانی میں ''ایک چوکا چوکا دو چوکے آٹھ.....'' سنا دیتے تو پھر وہ اُنھیں الٹی طرف سے سنانے کو کہتے۔ یعنی ''سولہ چوکے چونسٹھ، پندرہ چوکے ساٹھ .....'' وغیرہ تو وہ ایک بار پھر روکتے اور ''ٹوکویں'' (at random) پوچھنا شروع کر دیتے۔ جونہی منہ سے غلط جواب نکلتا تو ان کی پتلی سی چھڑی جو ہمیشہ ان کے ہاتھ میں رہتی، سیدھی ٹخنوں پر آ لگتی اور سنانے والا تڑپ کر بیٹھ جاتا اور جلن کو سہلانے لگتا، اس لیے ہم ہمیشہ ان کے بیمار پڑ جانے کی دعا مانگتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے ایسی دعائیں جو دعا کنندہ کے حق میں نہ ہوں یا اجتماعی مفاد کے منافی ہوں، قبول نہیں ہوتیں۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بلاعنوان

نوشیرواں عادل کا ایک وزیر بزرجمہر بڑا عقلمند اور زیرک تھا۔ اس نے بادشاہ سے بہت سے کارِ خیر کرائے۔ کوئی بھی اچھا کام ہوتا تو لوگ خود بخود سمجھ جاتے کہ اس کا مشورہ بزرجمہر ہی نے دیا ہوگا۔ اس طرح اس کی عقلمندی ایک ضرب المثل بن گئی۔

ایک بار اس کا ایک بڑھیا سے واسطہ پڑ گیا۔ اس کو حکومت کا کوئی کام پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ کام بھی اسی کے مشورے سے کیا گیا ہے۔ اس نے بڑی بے خوفی سے کہا:

''بس اتنا ہی تیرا علم ہے جس کی تم اتنی بڑی تنخواہ لیتے ہو؟''

بزرجمہر نے جواب دیا:

جی ہاں! میں اپنے تھوڑے ہی سے ''علم'' کی تنخواہ لیتا ہوں، اگر اپنی ''بے علمی'' کے عوض لیتا تو ملک کا سارا خزانہ بھی ناکافی ہوتا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنے وزیروں اور مصاحبوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھل وغیرہ کھائے جا رہے تھے کہ اس دوران میں ایک سیب کاٹتے ہوئے بادشاہ کی انگلی کٹ گئی۔ خون بہنے لگا۔ شاہی طبیب نے فوراً مرہم پٹی کر دی۔ بڑے وزیر کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا:

''چلیے اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت ہو گی۔''

اس پر بادشاہ برہم ہو گیا۔ غصے کی بات تو نہیں تھی مگر چونکہ درد ابھی ہو رہا تھا اس لیے اس نے غصے میں آ کر بڑے وزیر کو قید کرا دیا کہ بجائے ہمدردی کا کوئی جملہ کہنے کے اس نے اس میں بھی اللہ کی حکمت تلاش کر لی ہے۔ اس کے بعد اس نے فوراً ایک اور مصاحب کو بڑا وزیر مقرر کر دیا۔

دو تین روز بعد بادشاہ نے شیر کے شکار کا پروگرام بنایا۔ تمام وزیر اور مصاحب بھی ہمراہ تھے۔ سب ٹولیوں کی شکل میں شکار کی تلاش میں جنگل کو چھان رہے تھے۔ آہستہ آہستہ بادشاہ اور بڑا وزیر سب سے کٹ گئے۔ اتفاق سے وہ ایسی جگہ جا نکلے جہاں ایک شیر درخت کے سائے میں سو رہا تھا۔ اس نے ان پر اچانک جو جَست لگائی تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ دونوں بے ہوش ہو گئے۔ شیر نے کھانے سے پہلے انھیں سونگھا (حکایت کے مطابق شیر کبھی زخمی آدمی کو نہیں کھاتا) بادشاہ کے زخمی ہاتھ سے خون کی بساند آ رہی تھی، اس لیے اس نے اسے چھوڑ دیا اور بڑے وزیر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کو ہڑپ کر گیا۔

اتنے میں دوسرے لوگ انھیں ڈھونڈتے ہوئے آ نکلے۔ بڑے وزیر کا جسم تو اُدھڑا ہوا پایا اور بادشاہ کو بے ہوش دیکھا۔ اسے ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے رگڑ رگڑ کر ہوش میں لائے۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا اور بڑے وزیر کا یہ حال دیکھ کر بہت مغموم ہوا۔

اب اسے اپنے مقیّد وزیر کی بات یاد آئی جس نے اس کی انگلی کٹ جانے کو ''اللہ تعالیٰ کی حکمت'' کہنے کی گستاخی کی تھی اور غیر معیّنہ مدت کے لیے جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ کئی مصاحبوں نے بھی اس کا وہ جملہ یاد دلایا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی حکمت کے نتیجے میں آج اس کی جان بچی تھی، چنانچہ واپس جا کر بادشاہ نے اسے جیل سے باعزت طور پر نکال کر دربار میں حاضر کیا، اس سے معذرت چاہی اور ایک بیش قیمت خِلعت سے بھی نوازا۔

پھر بادشاہ نے کہا:

''اچھا اگر اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے تو تُو جتنا عرصہ جیل میں رہا، اس میں اللہ تعالیٰ کی کونسی حکمت تھی؟''

اس پر وزیر بولا:

''حکمت کا ثبوت تو میرا اس وقت آپ کے سامنے زندہ بیٹھا ہونا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں آپ کے ہمراہ ہوتا اور میں ہی شیر کی خوراک بنتا۔''

اس پر بادشاہ کو ایک بار پھر اس کی عقلمندی کا قائل ہونا پڑا اور اسے بصد اعزاز عہدے پر بحال کر دیا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ناداں کی دوستی

مولانا روم لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ کا باز شاہی محل سے اُڑ کر ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں جا بیٹھا۔ بڑھیا اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی، پھر اس کو پکڑ کر کہنے لگی:

''اے خوبصورت پرندے! تو کس نااہل کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ ہائے اس ظالم نے تیری قدر نہ جانی۔ تیرے ناخن اور پر کس قدر لمبے ہو گئے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے باز کے پاؤں باندھ کر اس کے پر چھوٹے کر دیے اور ناخن بھی کاٹ ڈالے۔

اتنے میں بادشاہ کے کارندے باز کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں جا پہنچے اور باز کو اس سے لے گئے لیکن اس کے پروں اور پنجوں کو کٹے ہوئے پا کر بے حد پریشان ہوئے۔ بہر حال وہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچے۔ باز کی یہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو شدید غصّہ آیا مگر وہ اس نادان بڑھیا سے کیا کہہ سکتا تھا جس نے خیر خواہی کے جذبے سے باز کی ''حجامت'' بنا دی تھی۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ اس کے لمبے لمبے پر اور پنجے ہی تو ہیں جو اس کی قوتِ پرواز اور قوتِ شکار کا باعث ہوتے ہیں؟

.....

اس بڑھیا کے طرز کی ''خیر خواہی'' ایک بار مشرق اخبار کے پروڈکشن مینجر سے بھی سرزد ہوئی (یہ اخبار 1965ء سے لے کر 1985ء تک ملک کا کثیر الاشاعت روزنامہ تھا)۔ اس پروڈکشن مینجر کا طریق کار تھا کہ اسے پریس کے اندر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پلیٹ بنتے وقت اس میں کوئی غلطی نظر آ جاتی تو وہ فوراً اس کی اصلاح کر دیا کرتا تھا، مثلاً سرخی کے کسی لفظ پر نقطے نہیں لگے تو لگا دیتا، زیادہ لگ گئے ہوں تو انھیں کم کر دیتا۔ یہ بڑی اچھی بات تھی۔ مگر ایک بار یوں ہوا کہ جنگِ عظیم اوّل کے بارے میں ایک مضمون چھپ رہا تھا۔ اس جنگ میں تقریباً دو کروڑ افراد ہلاک ہوئے تھے اور جنگ کی ابتدا آسٹریا کے شہزادے کے قتل سے ہوئی تھی۔ سرخی یوں تھی: ''پستول کی ایک گولی چلی اور دو کروڑ افراد ہلاک ہو گئے۔''

اس نے سوچا، نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے، چلو ایک زیرو کم کر دیتے ہیں۔ رات کو یہ ''کارنامہ'' سرانجام دے کر اگلے روز وہ اخبار کے ایڈیٹر سے ملا اور کہا کہ آپ کا عملہ عجیب حماقتیں کرتا ہے، بھلا ایک گولی سے دو کروڑ افراد کیسے مر سکتے تھے، اس لیے میں نے سرخی میں سے ایک زیرو کم کر دیا ہے (اس طرح بیس لاکھ ہو گئے)۔

ایڈیٹر یہ بات سن کر بھنّا اٹھا اور اس نے کہا کہ ''اگر ایک گولی سے 2 کروڑ نہیں مر سکتے تو 20 لاکھ بھی نہیں مر سکتے۔ چلو دور ہٹو میری نظروں سے، اپنے کام سے کام رکھا کرو۔''

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ٹی وی اور جدید جہالت

جب سے پاکستان میں پرائیویٹ ٹی وی چینلز شروع ہوئے ہیں، ان میں کچھ چینلز مذہب کے لیے بھی استعمال ہو رہے ہیں، مثلاً: درس قرآن، عربی کی تدریس یا علماء کی تقاریر اور حسنِ قراءت وغیرہ۔ یہ تو بڑے قابلِ قدر پروگرام ہیں، مگر اِن کی آڑ میں کچھ تو ہم پرستی بھی پھیلائی جا رہی ہے۔ کیا ہم اس کو بھی اس لیے برداشت کرتے رہیں کہ یہ ''متشرع'' لوگوں کا پروگرام ہے۔ ہم بازار میں خریداری کے لیے جاتے ہیں تو اپنے پیسے کے عوض جعلی مال اور دو نمبر مال نہیں خریدتے۔ جس طرح ہم وہاں کھرے کھوٹے کی تمیز ملحوظ رکھتے ہیں، اس طرح ہمیں مذہب کا لیبل لگے پروگراموں میں بھی یہ تمیز کرنی چاہیے کہ ان میں حقیقت اور خرافات کا تناسب کیا ہے؟

مثلاً QTV کے ''استخارہ'' یا ''روحانی دنیا'' کے پروگرام میں ایک خاتون کالر (تقریباً 98 فیصد کالرز خواتین ہی ہوتی ہیں) نے اپنا مسئلہ یوں پیش کیا کہ اس کے ہاں عرصے سے اولاد نہیں ہوئی۔ خاندان کا کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ ایک بھائی آوارہ ہو چکا ہے، کوئی کام دھندا نہیں کرتا۔ چھوٹی بہن کے لیے کوئی رشتہ نہیں آ رہا۔ گھر کے سامنے مکان میں ایک نہایت امیر لڑکا رہتا ہے جو ہمارے لیے بہت موزوں رشتہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پرپوزل اس کی طرف سے آئے۔ ہمیں عرصے سے انتظار ہے۔

اس پر پروگرام کا اناؤنسر کہتا ہے:

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''آپ کے مسائل ہم نے سن لیے ہیں، اب دیکھتے ہیں باباجی کیا کہتے ہیں۔''

اتنے میں پیچھے کرسی پر بیٹھا ہوا ایک ''متشرّع'' شخص دکھایا جاتا ہے جسے ''باباجی'' کہہ کر متوجہ کیا گیا ہے۔ اس کے سامنے کوئی کتاب پڑی ہے۔ کاغذ پنسل اس کے ہاتھ میں ہے، وہ پوچھتا ہے: ''اچھا خاتون! آپ کی ماں کا کیا نام ہے؟'' وہ نام بتاتی ہے تو باباجی کچھ نوٹ کرتے کرتے انکشاف فرماتا ہے:

''علم الاعداد کی روشنی میں آپ پر کچھ بندش آرہی ہے۔ آپ اور جملہ دیگر متعلقہ افراد صبح یا وُدُودُ یا رحمانُ 730 (یا675) بار پڑھا کریں، ان شاء اللہ ساری بندش کھل جائے گی۔''

اس جواب میں کئی قابلِ اعتراض نکات پوشیدہ ہیں جو سائلہ کو ایک نئی پٹڑی پر چڑھا کر بالآخر اسے عاملوں کے لیے نوالۂ تر بنا سکتے ہیں۔

* پہلا نکتہ یہ ہے کہ کیا خاندان کے کاروبار کا انحطاط، خاتون کی اپنی بے اولادی بھائی کی آوارگی اور سامنے والے گھر کے لڑکے کی بے توجہی کا راز، والدہ کے نام کے اندر پوشیدہ تھا؟
* دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے یہ بابرکت نام اتنی بار (730یا675) جپوانے کے پیچھے کون سی سند ہے؟
* تیسرے یہ کہ کیا نبیٔ اکرم ﷺ نے، جن کے ذریعے سے یہ پاک نام ہم تک پہنچے ہیں، ان کا یہ مصرف بیان فرمایا ہے؟ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر (کل 100 بار) پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ ①

لیکن وہ اس لیے نہیں کہ نبی ﷺ نے علم الاعداد کی روشنی میں کوئی ''بندش''

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وغیرہ دریافت کرلی تھی، بلکہ اس لیے کہ اس سے اُنھیں روحانی و جسمانی فائدہ پہنچے گا اور وہ ان کے لیے عظیم توشۂ آخرت ہوگا۔

دراصل اس مکّار بابے نے اس سادہ دل خاتون کو ''بندش'' ہونے اور بندش ''کھلوانے'' کے جھمیلوں میں پھنسادیا ہے۔ چند دن وہ خود پر جبر کرکے 730 یا 675 بار جپے گی اور دیگر اہلِ خاندان سے درخواست کر کے اُن سے بھی جپوائے گی، پھر عاجز آ کر کوئی ''ڈائریکٹ میتھڈ'' اختیار کرنے کے لیے کسی قریبی ''بابے'' کے پُراسرار حجرے میں جا پہنچے گی جو اس کی جگہ یہ وظیفے اپنے ذمے لے کر نذر و نیاز وصول کرے گا، یا وہ کسی طرح اسی ٹی وی والے جعلساز بابے کے آفس کا پتہ چلا کر اپنے مصائب کا حل ڈھونڈے گی۔

اب رہا ''علم الاعداد'' کا رعب طاری کرنے کا مسئلہ تو یہ ایک بڑی گھمبیر کہانی کا حرف آغاز ہے جس کا تعلق علمِ جفر، علمِ نجوم یا علمِ جوتش سے ہوتا ہوا ضعیف الاعتقادی کی عمیق ترین گھاٹیوں تک جا پہنچتا ہے۔ اور ایسی سادہ لوح خواتین اپنے مسائل حل کراتے کراتے نئے مسائل میں اُلجھ جاتی ہیں۔

یہ ''بابے'' قدیم ہندوانہ جوتش اور علمِ نجوم کی جدید شکل ہیں۔ ٹی وی کا یہ روحانی پروگرام مزاروں اور حجروں کے خفیہ گوشوں کے لیے ایک کھڑکی یا ایک ''شوروم'' کا کام دیتا ہے۔ جتنا کوئی زیادہ دکھی ہوتا ہے، اتنی ہی مضبوطی سے ان کے شکنجے میں پھنستا ہے اور بالآخر ''نامرادیوں کی دنیا'' میں جا نکلتا ہے۔

صحيح البخاري، الدعوات، باب التكبير والتسبيح عند المنام، حديث: 6316

itsurdu.blogspot.com